تربیتِ نسواں

یا

سمرنا کا چاند

از

مصوّرِ غم علّامہ راشد الخیری مرحوم

پہلا ایڈیشن

قیمت دو روپے

پبلشر

عطاء الرحمٰن صدیقی۔ پیام مشرق بکڈپو
جامع مسجد دہلی

(الجمعیۃ پریس دہلی)

پیش لفظ

علامہ راشد الخیری مرحوم کا قلم، جذبات کے طوفانی سمندر کا ایک نہ تھکنے والا پیراک تھا، عورت کے جذبات کی ترجمانی جیسی انھوں نے کی ہے اس کی نظیر اُردو ادب میں کہیں اور نہیں ملتی۔ اگر ایک ادیب کا کام دل کی اتھاہ گہرائیوں تک پہنچنا اور نفس انسانی کی نامعلوم حقیقتوں کا سراغ لگانا ہے تو یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ علامہ راشد الخیری اپنے طرز کے ایک امام اور مجتہد تھے۔ جنھوں نے ہمارے ادب میں نئی راہ پیدا کی اور اس میں ان کے نقشِ قدم آیندہ بھی نشانِ منزل بنے رہیں گے۔

علّامہ کی تصانیف ادبی لحاظ سے المیہ ہوں یا طربیہ وہ ہماری عورتوں اور بچیوں کے لئے کامیاب عملی زندگی میں مشعلِ ہدایت کا کام کرتی ہیں۔ اُن کے پلاٹ بالعموم انسانی صفات اور کمزوریوں کو اس طریقہ سے نمایاں کرتے ہیں کہ پڑھنے والے ان صفات سے مناسب مواقع پر کام لینا، اور کمزوریوں سے احتراز کرنا سیکھ جاتے ہیں۔ یعنی انھیں حق و باطل میں تمیز کرنا

آجاتا ہے۔

مذکورۂ بالا خصوصیت کے علاوہ مولانا راشدالخیری کے طرزِ نگارش کی چند
اور خصوصیات بھی ہیں مثلاً مذہب کا صاف ستھرا رنگ۔ اسلامی مشرقی معاشرت
سچی تصویر کشی، سماجی زندگی اور گھریلو تعلقات کو خوش گوار بنانے کی موثر تعلیم
زیرِ نظر کتاب "تربیتِ نسواں یا سمرنا کا چاند" بھی مولانا کی ایک ایسی
ہی تصنیف ہے جس میں یہ خصوصیات بدرجۂ اتم نمایاں ہیں۔ اس کتاب کو آپ
پڑھیں اور اندازہ لگائیں کہ علّامہ نے دلّی کی ٹکسالی زبان میں کیا کیا گلکاریاں
کی ہیں۔

عطاءالرحمٰن صدیقی
مینجر پیام مشرق بک ڈپو جامع مسجد دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تربیتِ نسواں

الملقب بہ

سمرنا کا چاند

(۱)

اویس کی دونوں بچیاں شمس اور قمر جن میں صرف ایک سال کا چھوٹا یا بڑا یا تھا ماں اور باپ دونوں کی زیرِ نگرانی پرورش پا رہی تھیں۔ شمس آٹھ اور قمر سات سال کی تھی اور اس لئے کہ اویس متموّل تاجر کا لڑکا اور خود بھی اپنی دولت کی وجہ سے خاصا مشہور تھا اور اس لئے کہ ایک عرصۂ دراز تک ولایت رہ چکا تھا۔ لوگوں کی آنکھیں اُس کی بچیوں کی تعلیم و تربیت پر لگی ہوئی تھیں۔ مغیرہ اویس کی بیوی، تھی تو مت پسند ہی، مگر زمانہ کا اثر کچھ بڑھتا چلا تھا اور وقت کی رفتار تھوڑا بہت طرف گھسیٹ چکی تھی۔ لیکن تعجب انگیز کیفیت اویس کی تھی کہ باوجود مغربی صحبت کے جس میں اُس کو قریب پانچ چھ گھنٹے صرف کرنے پڑتے تھے۔ قیام ولایت کے، جہاں اس نے چار سال پورے گزارے ۔۔۔ انگریزی تربیت

سے، کہ چار سال کی عمر تک ایک پڑھی لکھی ماں کی گود میں پلا۔ اس کے خیالات مشرق کی طرف زیادہ جھکے ہوئے تھے۔ بظاہر کوٹ پتلون کالر ٹائی میں ہر وقت جکڑا رہتا تھا۔ میز کرسی۔ چھری کانٹے اس کے گھر کا جزو اعظم تھے۔ لیکن نہ معلوم کس وجہ سے وہ حقیقتاً اس تمدن اور معاشرت سے خوش نہ تھا۔ وہ رشک سے دیکھتا تھا کہ اس کا چچا زاد بھائی کس مزے سے باورچی خانے میں بیٹھا گرم گرم روٹی توے سے اترتی گائے کے گھی سے چپڑی کھا رہا ہے۔ اس کو حسرت ہوتی تھی یہ دیکھ کر کہ چچا اور چچی دونوں میاں اور بیوی بچوں کو ساتھ لئے بیچ میں بیٹھے آم چوس رہے ہیں اور مگن ہیں۔ وہ جو کچھ کر رہا تھا۔ درحقیقت اس کو کرنا پڑتا تھا۔ ورنہ اس کا بس چلتا تو یہ سارا سامان جو فرنیچر کہلاتا تھا توڑ پھوڑ کر کبھی کا الگ کر دیتا اور اس کاٹ کباڑ میں آگ لگا خاک سیاہ کر فرش پر بیٹھتا اور دسترخوان پر کھاتا۔

اویس کے یہ خیالات گدڑی کے لال تھے جو عام طور پر ظاہر نہ ہوئے مگر ہاں جن لوگوں کو علم ہو گیا۔ وہ حیران تھے کہ ایسا شخص جو سر سے پاؤں تک انگریز اور چوٹی سے ایڑی تک فرنگی ہے کیا کر رہا ہے اور کیا کہہ رہا ہے۔ اسکے خیالات کا اندازہ سب سے پہلے مغیرہ کو ہوا۔ اور وہ بھی اس طرح کہ ایک روز شام کے وقت جب وہ کپڑے بدل بدلا ایک جلسہ میں جانے لگی اور کچھ کہنے کے لئے اویس کے پاس آئی تو اس نے کہا۔

"آج کہاں جانا ہے؟"

مغیرہ:۔ مسز ہاربرٹ کے یہاں پارٹی ہے۔

اویس:۔ کس تقریب سے؟

مغیرہ:۔ یونہی جب اس کا جی چاہتا ہے۔ سب کو جمع کر لیتی ہیں۔

اویس:۔ اور کون کون ہو گا؟

مغیرہ:۔ مشن کی تمام میمیں ہوں گی۔ ہم آٹھ دس عورتیں ہوں گی۔ ہاں دیکھو میں نے کسقدر اصرار سے کہا تھا کہ اس گلابی شرٹ پر انگوری بیل کسقدر خوشنما معلوم ہوگی مگر تم نے اب تک نہ منگوائی! مجبوراً میں نے وہی اُودی لگائی۔

اویس:۔ کیا تم اندازہ کر سکتی ہو کہ اس وقت تمھارے جسم پر کس قدر مالیت کا زیور اور پوشاک ہے۔

مغیرہ:۔ کیوں اس کی کیا ضرورت ہے؟

اویس:۔ میں ابھی بتاتا ہوں۔ تم جواب دو۔

مغیرہ:۔ زیور سمیت؟

اویس:۔ ہاں۔

مغیرہ:۔ ڈھائی ہزار کا تو صرف یہ میرا نیکلس ہی ہے۔

اویس:۔ تمام تخمینہ بتاؤ۔

مغیرہ:۔ اب میں کیا بتاؤں۔ ہوگا کوئی دس ہزار کا۔

اویس:۔ ہاں مگر ایک بات تو بتاؤ۔ اب اگر خدانخواستہ تم کو کوئی ضرورت پیش آجائے اور تم اس کو الگ کرنا چاہو۔ تو کس قیمت کا بک سکتا ہے؟ انگریزی سونا اور پتھر تو ایک کوڑی کے بھی نہیں ہیں۔

مغیرہ:۔ پھر ان کڑوں کو کون پوچھے گا؟

اویس:۔ شاید دس پندرہ روپے تک بک جائیں!

مغیرہ:۔ اور کیا۔

اویس:۔ ایک بات تو تم نے یہ دیکھ لی۔ اگر یہی زیور تم ہندوستانی سونے کا بنوا لیتیں تو یقیناً اس قدر خسارہ نہ ہوتا۔ دوسری بات جو خاص طور پر دیکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ یہ روپیہ جو تم نے اپنی آرائش پر صرف

کیا۔ گیا کہاں؟

مغیرہ :۔ گیا کہاں۔ ولایت گیا۔

اویس :۔ اگر یہی روپیہ ایسی زینت پر صرف ہوتا جو تمھاری ملکی ہو تو اچھا ہوتا!

مغیرہ :۔ تم جلد گفتگو ختم کرو مجھ کو دیر ہو رہی ہے۔ پانچ بجے ہیں۔ صرف آدھ گھنٹہ باقی ہے۔

اویس :۔ بس تم جاؤ مجھے تو صرف اتنا ہی کہنا تھا۔

مغیرہ :۔ اس کے متعلق پھر گفتگو ہوگی۔

اویس :۔ جب تمھارا جی چاہے۔

مغیرہ اب تک خواب خرگوش میں پڑی ہوئی تھی اور اُس کو یقین تھا کہ میری یہ روش اویس کو پسند ہے۔ اس کے وہم وگمان میں نہ تھا کہ وہ اس تمدّن کا حامی نہیں ہے۔ اور یہ سمجھ کیسے سکتی تھی۔ فرشتہ نہ تھی۔ اشارتاً کنایتاً کبھی بھی اویس نے اس قسم کا خیال ظاہر نہیں کیا۔ مہینہ دو مہینہ سال دو سال کا نہیں نو برس کا ساتھ تھا۔ مگر صد آفریں اویس کو کہ نو سال تک اپنے خیالات کا پتہ نہ چلنے دیا۔ تعجب پر تعجب یہ کہ جس سے ملتا تھا جس پر ہنستا تھا۔ جس پر روتا تھا خود اسی میں مُبتلا تھا۔ مغیرہ اس وقت تو ہنسی خوشی چلی گئی۔ مگر آج اس کی خوشی تمام پھیکی پڑ گئی۔ وہ جلسہ میں گئی بھی ہنسی بھی۔ لیکن افسردگی اس کی صورت سے اور ملال اس کے چہرے سے ٹپک رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی دو ایک سہیلیوں نے اور بالخصوص مسز ہربرٹ نے تو کہہ دیا کہ آج تم اس قدر اداس کیوں ہو اور اس کے جواب میں اس کو کہنا پڑا کہ کچھ نہیں کوئی خاص بات تو نہیں ہے۔ وہ کوشش کر رہی تھی کہ میں پژمردہ نہ معلوم ہوں۔ چاہتی تھی کہ افسردگی کا پتہ کسی طرح نہ چلے۔ مگر صورت دل کی حالت کا آئینہ ہے۔ وہ باتیں کرتی تھی مگر تھی اسی اُدھیڑ بُن میں کہ یہ آخر اویس کو ہوا کیا۔

بظاہر کوئی ایسی صحبت نہیں۔ کوئی وجہ نہیں۔ کوئی سبب نہیں۔ عقل کام نہیں کرتی کہ اس تغیر کی تہ میں کیا راز پوشیدہ ہے۔ دو گھنٹہ کے قریب جلسہ کا زور و شور رہا اور ظاہر میں مغیرہ بھی رنگ رلیوں میں شریک رہی۔ لیکن واپسی کے وقت گاڑی میں بیٹھی تو اس خیال میں مستغرق تھی کہ ایک اور سہیلی نے جو ساتھ تھی دو تین مرتبہ اس سے بات کی اور اُس نے سُنا بھی نہیں کہ کیا کہا اور کیا پوچھا۔ گھر پہنچی تو تن تنہا اپنے کمرے میں بیٹھ کر سوچنے لگی کہ یہ اختلاف مزاج ضرور کچھ گل کھلائے گا۔ اب تک تو کچھ نہیں گیا۔ اب یہ کل کو کہیں گے کہ گاڑھا پہنو تو میں کیا کروں گی۔ ان کو کوئی خیال نہیں کہ وہ اس معاملہ میں مجھ کو مجبور کر سکیں۔ غضب خدا کا پڑھا لکھا آدمی ہو کر یہ حالت کہ ملک کو فائدہ پہنچاؤ۔ آدمی آدمی سب برابر ہیں۔ جیسے وہ ملک ویسے یہ۔ کیا وہ ہمارے بھائی نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں کُجا وہ کُجا یہ۔ کس کی جوتی کو غرض پڑی ہے کہ اس گرمی میں کھدر پہنے۔

مغیرہ ان ہی خیالات میں غلطاں پیچاں تھی کہ اویس اُس کے کمرے میں آیا اور کہنے لگا "کس خیال میں بیٹھی ہو؟"

مغیرہ :۔ تم نے شام کو جو بات کہی تھی اُس پر غور کر رہی ہوں۔

اویس :۔ خوشی کی بات ہے کہ تم نے اُسے قابلِ غور سمجھا۔

مغیرہ :۔ میں تو اس کو خوشی کی بات نہیں سمجھتی۔

اویس :۔ کیوں تم کو اس سے اتفاق نہیں؟

مغیرہ :۔ ہرگز نہیں۔

اویس :۔ وجہ؟

مغیرہ :۔ ہندوستان اگر اس قابل ہوتا تو اُس پر یہ وقت کبھی نہ آتا ہم کو ہندوستان سے ایسی حالت میں کہ خود ہم کو تکلیف ہو کوئی ہمدردی نہیں۔ ہم کو جو راحت و

آرام غیر ملک کی چیزوں سے مل رہا ہے۔ یہ اپنی چیزوں سے ہرگز میسّر نہیں ہو سکتا۔ تم سوچ کر کہو کیا کہہ رہے ہو۔

اویس :۔ اور میں آج سال بھر سے سوچ رہا ہوں۔ مجھے تمھاری عقل پہ ہنسی آتی ہے۔

مغیرہ :۔ اور مجھے تمھاری عقل پہ رونا آتا ہے۔

اویس :۔ یہ انتہائی خود غرضی ہے۔

مغیرہ :۔ مطلق نہیں۔

اویس :۔ خیر جانے دو۔ ہاں تم نے شمس کے متعلق کیا فیصلہ کیا؟

مغیرہ :۔ میں تمھاری رائے سے متفق نہیں ہوں۔

اویس :۔ یہ تمھاری غلطی ہے اور یہ ضرور نہیں کہ میں تمھارے ہاتھوں اس قدر مجبور ہو جاؤں کہ اولاد کے معاملہ میں بھی اپنے اختیارات بالکل سلب کر لوں۔ تمھاری عقل ٹھکانے نہیں رہی۔ وقت نے تمھاری آنکھوں پہ پردے ڈال دیئے۔ محض علم جب تک تربیت نہ ہو کسی کام کا نہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ تم نے اس کی تعلیم میں کسر نہیں کی۔ اور اب بھی جس قدر ضروری ہے۔ اس پہ توجہ کافی کر رہی ہو۔ مگر تربیت جو انسانیت پیدا کرنے والی چیز ہے اس سے تم بالکل غافل ہو۔ اور یہ ہی وجہ ہے کہ طوطے کی طرح کتاب تو رٹ لیتی ہے اور جہاں سے پوچھو فرفر سنا بھی دیتی ہے۔ مگر مسلمان لڑکیوں کے جو اصلی جوہر ہیں وہ ان سے ہزاروں کوس دور ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ اپنی عمر کے لائق اُردو پڑھ لیتی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ اسے انگریزی کی بھی شُدبُد ہے۔ اس کی گنتی اور پہاڑے بھی میرے علم میں ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ سب سے بڑی، سب سے سخت تکلیف دینے والی بات جس نے مجھ کو اس قدر پریشان کیا اور اب بھی متفکر ہوں، یہ ہے کہ وہ ایک حرف قرآن شریف کا نہیں پڑھ سکتی! اور اگر تم کو ناگوار نہ ہو تو میں کہوں کہ تم نے نماز کے متعلق اس کو کچھ بھی

یاد نہ کرایا؟ کیا مسلمان کی بچّی کو نماز نہ یاد کرنا چاہیئے؟ تم ناخوش نہ ہونا۔ اس سے میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم نماز نہیں پڑھتیں۔ اس پر اعتراض نہیں۔ میں خود ہی نہیں پڑھتا۔ تو دوسرے پر کیا کروں گا۔ البتہ یہ نہیں چاہتا کہ ہم اور تم خدا کے آگے گردن نہیں جھکاتے۔ اور اس کی عنایت و کرم کا شکریہ ادا نہیں کرتے تو ہماری اولاد بھی ہماری طرح گمراہ رہے۔

مغیرہ:۔ یہ تو کوئی بھی نہیں چاہتا۔

اویس:۔ تو پھر اس کی تدابیر کرنی چاہئیں۔

مغیرہ:۔ تم شوق سے ایک استانی رکھ دو ..... مگر۔

اویس:۔ مگر کیا؟

مغیرہ:۔ مگر یہ کہ جو نتیجہ ہوگا وہ ظاہر ہے۔

اویس:۔ کیا نتیجہ ہوگا؟

مغیرہ:۔ خیر تم بسم اللہ کر دو میں کچھ نہیں کہتی۔

اویس:۔ کہتے کہتے رکتی کیوں ہو؟

مغیرہ:۔ رکتی نہیں۔ جب تک آدمی مرد ہو یا عورت بات اچھی طرح نہ سمجھ سکے اس کا کہنا فضول ہے۔ طوطے کی طرح یاد کرا دو۔ مگر نماز کے واسطے ضروری ہے کہ آدمی جو کہے وہ سمجھے۔ اس عمر میں نماز یاد کروانے سے کیا فائدہ؟

اویس:۔ تو کیا تمھاری رائے میں نماز جوانی میں یاد کرانی چاہیئے؟

مغیرہ:۔ جوانی میں نہیں تو کم از کم اس وقت جب سمجھنے کی قابلیت ہو؟

اویس:۔ خوب!

مغیرہ:۔ ایک اور بات ہے استانی کی صحبت میں سوائے لغویات کے اور کیا سیکھے گی۔

اویس:۔ ہاں یہ مسئلہ قابلِ بحث ہے۔ استانی کی صحبت اگر پسند نہیں تو جانے دو۔ مگر

کوئی ایسا شخص ضرور نگراں ہونا چاہیئے۔ جس کو تم پسند کرو۔ کیونکہ میری رائے میں تعلیم بغیر تربیت کے دُرست نہیں۔

مغیرہ :۔ میری رائے میں تو مس فلپ بہت موزوں ہے۔

اویس :۔ نہیں اس کو میں تو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

مغیرہ :۔ کیوں اس میں کیا خرابی ہے۔

اویس :۔ تم کو واقعات کا علم نہیں۔ یہ تمام مشنری عیسائی جو تم کو ہندوستان کے چپّے چپّے پر ملتے ہیں۔ ان کا وجود محض تبلیغ ہے۔ ان کو اس بات کی تنخواہیں دیجاتی ہیں کہ جس طرح بھی ممکن ہو۔ دوسروں کو عیسائی کریں۔ جب ایک شخص کے پیشِ نظر اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس کی زندگی کا مقصد ہی یہ ٹھہرا۔ تو تم خود خیال کرو کہ وہ جو کام بھی کرے گا۔ اپنا مقصد سامنے رکھے گا۔ مشنری اُستانیاں گھروں میں پہنچتی ہیں۔ مگر کس غرض سے ؟ بتاؤ ؟

مغیرہ :۔ یوں ہی ملنے جلنے اور کس غرض سے۔

اویس :۔ مگر بظاہر ان کی آمد و رفت کی خاص وجہ کیا ہے ؟

مغیرہ :۔ تعلیم۔

اویس :۔ ہاں یہ ٹھیک ہے تو سُنو !

اگر تعلیم کا سلسلہ نہ ہوتا تو اور کوئی ذریعہ ایسا نہ تھا کہ اُن کی آمد و رفت شرفا میں ہوتی اور شرفا میں کیا عوام میں بھی۔ یہ جادو اچھی طرح چل رہا ہے۔ ہر شخص کے دل میں یہ اُمنگ اور آرزو پیدا ہوتی ہے کہ اس کی لڑکی پڑھی تعلیم یافتہ ہوتا کہ اس کو اچھا شوہر ملے اور بہت ممکن ہے کہ یہ تعلیم ہی اس کی کامیابی کا ذریعہ ہو جائے۔ عوام کا حال تو یہ ہے کہ لڑکی پڑھ لکھ کر بڑے آدمیوں میں کھپ جائے گی۔ بڑے آدمی اس لئے کہ ان کا اپنا کوئی مدرسہ نہیں جہاں لڑکیوں کو بھیجیں۔ ان حالات میں ان کی

نظر ہر پھر کر ان ہی عیسائی مشنری اُستانیوں پر پڑتی ہے اور وہ اس موقع کو غنیمت سمجھتی ہیں اور تعلیم کے سلسلے میں آمد و رفت شروع ہو جاتی ہے۔ اب بتاؤ، ماں باپ بھائی کے سامنے اُستانی اُردو کا قاعدہ پڑھا رہی ہے۔ دیکھنے والے کوئی وجہ نہیں کہ شبہ کریں۔ وہ تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ لڑکی اُردو کا قاعدہ پڑھ رہی ہے۔ اُن کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں کہ اُستانی کا مقصد کچھ اور ہے اور تعلیم محض بہانہ ہی بہانہ ہے، بچوں کے دل و دماغ کچے ہیں۔ کسی وقت اُستانی ان کے آگے کہانی ہی بیان کر رہی ہے کہ لڑکی کا دل بہلے۔ سننے والے بھی پروا نہیں کرتے۔ جانتے ہیں کہ ہماری آنکھوں کے سامنے کہانی کہہ رہی ہے۔ لیکن اس کہانی کے سلسلہ میں اُستانی نے موقع پاکر کسی وقت یسوع مسیحؑ کا بھی حال سُنا دیا۔ اب یہ واقعہ لڑکی کے دل پر گڑ گیا۔ تم ہی کہو کہ اس کا اثر اُس کے دل پر کیا ہوگا۔ یہ اور اسی قسم کی اور باتیں ہیں جو عیسائی اُستانیاں کرتی رہتی ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اپنی شفقت اور ہمدردی کا ہر طرح یقین دلاتی ہیں۔ تم کو معلوم ہوگا کہ زبان کی طاقت وہ ہے جس کے آگے دولت اور شمشیر سب ہیچ ہیں۔ یہ وہ طاقت ہے جس نے سلطنتوں میں انقلاب پیدا کر دیئے۔ ایک لڑکی کے مذہب کی تبدیلی کرا دینا کون سا بڑا معرکہ ہے۔ دُور کیوں جاتی ہو تمھارے ہی محلہ کا ایک واقعہ سُناتا ہوں۔

عائشہ کی ماں تو تم کو یاد ہوگی۔ جس وقت اُس کے یہاں مَرا ہوا بچّہ پیدا ہوا ہے اور اس کی حالت خراب ہوئی ہے۔ میں بازار سے آ رہا تھا۔ گاڑی سے اُتر کر محلے میں قدم رکھا تو اس کی بڑی لڑکی دروازہ میں کھڑی رو رہی تھی۔ مجھے بلایا میں اندر گیا تو بُو کے مارے ناک نہیں دی جاتی تھی۔ عائشہ کی ماں ایک جھلنگا چارپائی پر بیہوش پڑی تھی۔ گھر کی عجیب کیفیت تھی۔ کوئی بچھونا تھا نہ پلنگ۔ میں نے لڑکی سے پوچھا "تیری ماں کا کیا حال ہے؟" وہ رو کر کہنے لگی "اسی طرح صبح سے پڑی ہیں۔"

اپنی غلطی کا خود ہی اقرار کروں۔ میں نے اس وقت نخوت سے کام لیا۔ اور اُس کو اسی میں چھوڑ کر گھر آ گیا۔ مجھے یاد ہی نہیں رہا کہ ایک غریب محتاج عورت اس حال میں پڑی ہے اور اس کو ایک پیسہ کی دوا بھی میسر نہیں۔ موسم سرد تھا اور مجھے اب یاد آتا ہے کہ مریضہ کے پاس لحاف تو در کنا۔ رضائی تک نہ تھی۔ جب ہم لوگوں نے پروا نہ کی تو ایک روز صبح ہی مس الیور وہاں پہنچیں اور موقع کو غنیمت جان کر اسی وقت اپنے آدمی سے دودھ اور انڈا منگوا کر پلایا۔ ایک کمبل اس کو اڑھایا۔ ایک نیچے بچھایا۔ دونوں وقت کا کھانا دودھ انڈے گھی وغیرہ ہسپتال سے آنے لگے۔ تھوڑے ہی روز میں وہ اچھی ہو گئی۔ اور اچھے ہوتے ہی سُنا کہ وہ عیسائی ہو گئی۔ کیا تم اب بھی ان عیسائی اُستانیوں کی کوشش کا مطلب نہیں سمجھ سکتیں؟ تم تو اُستانی کے سپرد کرنے کو کہتی ہو۔ میں تو اُس کو پھٹکنے تک نہ دوں"۔

مغیرہ :۔ یہ محض تمھارا تعصب ہے کہ ان کی بابت ایسی رائے قائم کر چکے ہو حقیقت یہ ہے کہ میری بھی بہت سی عیسائی عورتوں سے ملاقات ہے اور کچھ آج سے نہیں مدتوں سے۔ مگر میں نے ان کے خُلق کو ہمیشہ بے مثل پایا۔ ہم مسلمان ہیں مگر ایمان کی بات یہ ہے کہ ہم میں وہ بات نہیں۔ اُس خُلق اور محبت پر کیا مجال جو کبھی مذہب کے متعلق بھولے سے بھی گفتگو ہوئی ہو۔

ادریس :۔ ہاں یہ تمھاری رائے درست ہے مگر تم اس کی اصلی وجہ پر غور کرو۔ اُن کو اچھی طرح یقین ہے کہ اب تم عمر کے اس حصہ کو طے کر چکی ہو اور حالتِ موجودہ میں تمھارا عیسائی ہونا مشکل نہیں محال ہے۔ یوں تو بڑھیاں بڑھیاں تبدیل مذہب کرتے ہیں۔ مگر اول تو تم صاحب اولاد ہو۔ علاوہ ازیں ان کو یہ توقع نہیں کہ تم عیسائی ہو جاؤ گی۔ پھر بھلا ایسا کام کرنا جس کی پہلے ہی سے توقع نہ ہو کون جائز کہہ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس سلسلہ میں تم سے گفتگو

ہی نہیں کرتیں مگر یہ ضرور ہے کہ اگر تمھاری وجہ سے کوئی شکار اُن کے ہاتھ
لگے تو وہ چوکنے والی نہیں ہیں۔

مغیرہ :۔ تو پھر تمھاری کیا رائے ہے؟

اویس :۔ میری رائے میں دونوں بچیاں مسلمان اُستانی کے سپرد ہونی چاہئیں۔

مغیرہ :۔ مسلمان اُستانیاں ہیں کہاں؟

اویس :۔ ہاں، درست ہے، اس کی تلاش کرو۔

مغیرہ :۔ تلاش کہاں سے کرو۔

اویس :۔ جب تک اُستانیاں نہ ملیں خود محنت کرو۔

مغیرہ :۔ میرے پاس اتنا وقت کہاں ہے؟

اویس :۔ جس طرح بھی ہو نکالو۔

مغیرہ :۔ تم کیوں نہیں نکال لیتے؟

اویس :۔ میں کوشش کروں گا۔

مغیرہ :۔ جو وقت مقرر کرو میں پڑھا دیا کروں۔

اویس :۔ اب تک تم میرا مطلب نہیں سمجھ سکیں۔ میں جہاں عیسائی استانیوں کی تعلیم
کے خلاف ہوں۔ وہاں محض مسلمان اُستانیوں کی بھی محض تعلیم کو کافی نہیں سمجھتا
ضرورت ہے کہ تعلیم کے ساتھ تربیت بھی ہو۔ مسلمان لڑکیوں کو جب تک
اسلامی اصول کے تحت تربیت نہ ملے گی تعلیم فضول ہے۔ موجودہ نصاب
ان کو مسلمان بنانے کی بجائے اور غیر مسلم بنا رہا ہے۔ اُن کے دلوں سے
اسلام کی وقعت کم ہو رہی ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ مذہب کی عظمت ان
کے دلوں میں رہے اور وہ اسلام کی قدر و منزلت کریں۔ ان کو معلوم ہو گا
کہ اسلام نے دنیا میں ان کو کیا جگہ دی ہے اور عورت کی حیثیت مسلمانوں

میں گیا ہے۔ تم نے بھی بارہا سُنا ہوگا کہ عورت کی جو وقعت عیسائیوں میں ہے
کسی مذہب میں نہیں۔ یہ صریح جھوٹ ہے۔ درحقیقت عورت کی جو حیثیت
اسلام میں ہے۔ وہ عیسائیوں میں ہرگز نہیں۔

مغیرہ:۔ تو اب تم تربیت کا خود انتظام کرو میں متفق ہوں۔

(۲)

دونوں بچیاں کہنے کو تو ایک ماں کے پیٹ اور ایک باپ کی اولاد تھیں۔ مگر
جس طرح ماں اور باپ دونوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اسی طرح
ان دونوں کی عادات وخصائل میں بھی بُعد المشرقین تھا۔ قمر چونکہ صلاحیت کیطرف
زیادہ جھکی ہوئی تھی اور باپ کی گفتگو کو ہمیشہ غور سے سنتی تھی۔ اس نے یہ معمول کر لیا کہ
دوپہر کے وقت جب وہ تعلیم سے فارغ ہوئی۔ اس کو اپنے پاس لے بیٹھا اور اس قسم
کی باتیں شروع کیں کہ خواہ مخواہ اس کا دل لگے۔ آج بھی اس نے دلچسپ گفتگو کا سلسلہ
شروع کر رکھا تھا اور اسی طرح وہ مختلف قسم کی باتیں کر رہا تھا کہ بچی نے پوچھا کہ
"ابّا جان میں کل شام کو سرو کے درخت کے نیچے جارہی تھی تو اماں کہنے لگیں کہ
شام ہو رہی ہے۔ دونوں وقت مل رہے ہیں۔ اس وقت ہرے بھرے درخت
کے نیچے کھڑا ہونا ٹھیک نہیں۔ ادھر نہ جاؤ۔ کیوں ابّا جان وہاں کیا ہوتا ہے۔"

ادریس:۔ بیٹی تم نے بہت اچھی بات پوچھی۔ وہاں جانے کو انھوں نے اس لئے
منع کیا کہ شام کے وقت جانور درختوں پر آکر بسیرا لیتے ہیں۔ اگر وہ بیٹ
کر دیں تو تمھارے کپڑے خراب ہوں گے۔

اتنا کہہ کر اس نے بیوی کو بلایا اور کہا: "لو تم قمر کے ایک سوال کا جواب دو۔
یہ کیا کہہ رہی ہے۔"

اویس :- میں نے تو یہی کہا بسیرے کا وقت ہے جانور بیٹھتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کپڑے خراب کر دیں۔

مغیرہ :- بس تو پھر میں کیا بتاؤں۔

اویس :- تعلیم یافتہ ہونے کا دعویٰ تو کرتی ہو اور اتنا نہیں جانتیں!

مغیرہ :- میں نے کب تعلیم یافتہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے؟

اویس :- خیر نہ سہی اس کی وجہ ایک اور ہے۔ لو بیٹی قمر سنو۔

قمر :- جی فرمایئے۔

اویس :- تم کو معلوم ہے کہ جس طرح ہم تم ہوا کھا کر زندہ رہتے ہیں اور کوئی جاندار بغیر ہوا کے زندہ نہیں رہ سکتا اور اگر ہوا نہ ہو تو آدمی گھٹ کر مر جائے اسی طرح یہ درخت بھی ہوا کھاتے ہیں۔ ان کی بھی خوراک ہے اور اس خوراک کے کچھ نام ہیں۔ ہم کو یہ تو معلوم ہے کہ ہمارا ایک سانس آتا اور ایک جاتا ہے۔ یعنی ایک سانس میں جو کچھ ہمارے پیٹ میں داخل ہوتا ہے دوسرے میں نکلتا ہے۔ بس یہی کیفیت درختوں کی ہے کہ یہ بھی کچھ ہوا لیتے ہیں اور کچھ دیتے ہیں۔ ہم اپنے سانس کے ساتھ اچھی ہوا داخل کرتے اور بری ہوا نکال دیتے ہیں اور یہ بری ہوا جو ہمارے دوسرے سانس سے نکلتی ہے یہ نکل کر درختوں میں جاتی ہے۔ یعنی اُس کو درخت کھاتے ہیں اور اپنی خراب ہوا وہ اس وقت نکال دیتے ہیں تو شام کے وقت جو ہوا درختوں سے نکلتی ہے وہ زہریلی ہوتی ہے۔ یعنی رات کو درختوں سے خراب ہوا نکلتی ہے جو صحت کے لئے مُضر ہے اس لئے رات کو درخت کے نیچے سونا مناسب نہیں۔ اسی لئے منع کیا گیا ہے کہ شام کو درختوں کے نیچے نہ جاؤ۔

مغیرہ :- اچھا پھر ہرے بھرے درخت کے نیچے کیوں زیادہ منع کرتے ہیں؟

اویس :۔ اس لئے کہ اُس میں سے اور زیادہ خراب ہوا نکلے گی۔

مغیرہ :۔ ہاں بات تو درست ہے۔

اویس :۔ سمجھیں بیٹی قمر! تمھاری اماں نے اس لئے منع کیا کہ شام کے وقت درخت کے نیچے نہ جاؤ۔

قمر :۔ اچھا ابا جان ایک بات اور بتایئے۔ کھڑے ہوکر پانی پینا گناہ ہے؟

اویس :۔ اچھا بتاتا ہوں بیٹی گناہ اور ثواب کو تم ابھی اچھی طرح نہیں سمجھ سکتیں۔ گناہ اس وقت ہوتا ہے جب آدمی خدا کی نافرمانی کرے۔ کسی کو ستائے یا کوئی ایسا کام کرے جو خدا نے منع کر دیا ہے مگر کھڑے ہوکر پانی پینے سے نہ تو خدا کی نافرمانی ہے نہ کسی کو تکلیف ہے نہ خدا نے منع کیا ہے بلکہ یہ تو ہمارے ہی واسطے مُضر ہے۔ کھڑے ہو کر پانی پینے سے یہ ڈر رہتا ہے کہ پانی کسی رگ یا انتڑی میں نہ چلا جائے۔ اسی طرح لیٹ کر بھی پانی پینا مناسب نہیں۔ جو جگہ مقرر کی گئی ہے یعنی جہاں خدا نے پانی پہنچانے کا انتظام کیا ہے۔ اگر اس کے سوا کہیں اور پہنچ گیا تو آدمی فوراً مر جائے گا۔ ابھی تم نے سُنا ہوگا۔ مگر ہاں تم نے تو نہیں تمھاری اماں نے اخباروں میں پڑھا ہوگا کہ حیدر آباد دکن کا ایک لڑکا جو ولایت میں تعلیم پا رہا تھا۔ دوپہر کے وقت پلنگ پر لیٹا سپاری یعنی چکنی ڈلی کھا رہا تھا۔ اتفاق سے اُچھو ہوا اور اُچھو کے ساتھ ہی سُپاری کا ٹکڑا حلق سے نیچے۔ یہ ٹکڑا اگر سیدھا معدہ میں چلا جاتا جہاں ہر چیز جاتی ہے تو کچھ حرج نہ تھا مگر یہ گیا دوسری جگہ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکے کی حالت خراب ہوئی۔ امیر آدمی کا بچّہ تھا آناً فاناً بڑے بڑے ڈاکٹر جمع ہو گئے۔ ایک انگریزی آلے سے جس سے جسم کے اندر کی ہر چیز آئینہ کی طرح صاف دکھائی دے جاتی ہے دیکھا تو سُپاری کا ٹکڑا الگ رکھا تھا اور لڑکے کی

تکلیف اللہ توبہ۔ اسی وقت ارادہ کیا کہ کاٹ کر نکال لیں۔ اس کے سوا کوئی ترکیب نہیں ہے۔ ایک ڈاکٹر نے رائے دی کہ یہ آپریشن یعنی کاٹنا خطرناک ہے۔ بہت ممکن ہے کہ لڑکا ضائع ہو جائے۔ اس لئے جب تک اس کے ورثا اجازت نہ دیں آپریشن ٹھیک نہیں۔ اسی وقت تار کے ذریعہ سے اُس کے ماں باپ سے دریافت کیا کہ ایسی حالت میں اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہیں آپ اجازت دیں تو آپریشن کیا جائے۔ باپ نے مجبور ہو کر اجازت دی اور اس کے سوا ہو بھی کیا سکتا تھا۔ آنکھ کے سامنے کا نہیں کالے کوسوں کا معاملہ۔ غرض اجازت پہنچتے ہی آپریشن شروع ہوا۔ جگہ نازک اور آپریشن سخت۔ ڈاکٹروں نے اپنی طرف سے کمی نہ کی اور ہر طرح کی احتیاط برتی مگر خدا کے حکم میں ڈاکٹر حکیم کیا دخل دے سکتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکا مر گیا۔

قمر :۔ اچھا ابا جان ایک بات اور بتلایئے۔

دیکھئے انھوں نے جو بڑی بی ہیں جھاڑو دینے میں میری گڑیا کیچڑ میں بھر دی اور جب میں خفا ہونے لگی اور میں نے کہا تو اندھی ہے جو جھاڑو دیکھ کر نہ دی تو کہنے لگیں مجھ بڑھیا کو تو ٹانگ برابر کی چھوکری اندھی کہتی ہے۔ اپنا کچھ کھو رہی ہے میرا کیا کرتی ہے۔ تبھی پر گناہ ہوا میرا کیا گیا۔ یہ جانتی ہیں کہ میں گناہ سے ڈرتی ہوں اس لئے بات بات میں کہتی ہیں تجھے گناہ ہوا۔ اچھا ابا جان قصور ان کا ہے کہ میری گڑیا کیچڑ میں بھر دی؟

ولیس :۔ نہیں اُن کا قصور نہیں ہے۔ تم کو بے شک گناہ ہوا۔ ان کو کیوں برا کہتی خود غلطی تمھاری غفلت تمھاری اور پھر دوسرے پر الزام رکھو۔ تم کو معلوم ہے فرش صبح ہی جھاڑو ملتی ہے۔ تم روز دیکھتی ہو کہ شام کو بھی جھاڑو دلی۔ تمھارا کام تھا کہ جھاڑو دینے سے پہلے اپنی چیزیں فرش پر سے اُٹھا لیتیں۔ جب تم نے خود ہی غفلت کی اور پرواہ نہ کی تو اس کا کیا قصور۔ وہ تو یوں ہی بے چاری آنکھوں سے کمزور ہیں۔

اندر کے دلان میں جھاڑو ۔ شام کا وقت، اوپر بھی اندھیرا ہو گیا۔ ان کو کیا خبر کہ تمھاری گڑیا رکھی ہوئی ہے۔ انھوں نے جھاڑو دے دی۔ تو بیٹی ایک گناہ کیا تم سے کئی گناہ ہوئے۔ بڑی بی کو اندھا بنایا جو بے قصور تھیں اگر قصور ہوتا تو خیر لیکن وہ تو گناہ نہیں بزرگوں کی شان میں، ایسے لفظ زبان سے نکالنا سخت گناہ ہے وہ تو تمھاری ماں اور باپ دونوں سے بڑی ہیں تم نے ان کی بزرگی کا بھی لحاظ نہ کیا۔ جاؤ میرے سامنے ان سے معافی مانگو۔ تم نے گناہ کیا ہے۔

گناہ کا نام سنتے ہی قمر کانپ گئی اور اسی وقت دوڑی ہوئی بڑی بی کے پاس پہنچی اور کہا "اچھی بڑی بی میرا قصور معاف کر دو۔ مجھے گناہ ہو رہا ہے اب کہوں گی" بڑھیا یہ سب باتیں باہر سے سن رہی تھی بچی کو کلیجے سے لگا لیا اور کہا "الٰہی بچی جیتی رہے عمر دراز ہو۔"

(۳)

مغیرہ باوجود اس نخوت کے جو وقت نے اس کے مزاج میں اور صحبت نے اس کے خیالات میں پیدا کر دی تھی جس طرح شوہر کے سامنے اپنی غلطی کا فوراً اعتراف کر لیتی تھی۔ اسی طرح ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کے سامنے بھی۔ حتیٰ کہ نوکر اور ماماؤں تک کے مقابلے میں جب کبھی کوئی معاملہ ہوا ہے اپنی نادانی پر ہمیشہ نادم ہوئی ہے لیکن شمس برخلاف اس کے، زیادہ تر اس لئے کہ ماں کے ساتھ تین چار سال عیسائی استانیوں میں قریب قریب روز جاتی رہی جو خود سری کا ایسا سبق پڑھاتیں کہ وہ بعض دفعہ اس سختی سے ماما کو ڈانٹتی کہ ماں منہ دیکھ کر چپ ہو جاتی۔ بظاہر اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ سنتی تھی اور پروا نہ کرتی تھی۔ لیکن خیال وسیع کیا جائے تو اس کی ذمہ داری جماعت پر ہے۔ لڑکیوں کی تربیت میں والدین ان ہی

ضروریات کا لحاظ رکھتے ہیں۔ جن سے ان کا مستقبل متعلق ہے عام طور پر لڑکیوں کی شادی کے وقت ان کی شکل وصورت دیکھی جاتی ہے اور اگر لڑکی حسین ہے تو اب اور کسی بات کے دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ اگر لڑکی کی شکل صورت سے زیادہ اس کی عادات اور خصائل کا دیکھنا لازمی سمجھا جاتا تو یقیناً والدین حتی الوسع اس کا لحاظ رکھتے یہ تسلیم کہ بعض موقعوں پر بدمزاجی نے بھی گُل کھلائے ہیں مگر حُسن صورت نے ایک خاص حد تک اُس کی تلافی کی ہے لیکن بدمزاجی نے اولاد کا جو ناس کیا ہے اس کی ذمہ داری مردوں پر آئے گی۔

شمس دیکھنے کو کیا واقعی قمر ہی کی ہم عمر تھی مگر اس کی بعض عادتیں اس قدر ردی اور افسوسناک تھیں کہ سُن کر اور دیکھ کر جی جلتا تھا اور سخت ضرورت تھی کہ اس کی تربیت معقول طریقہ پر ہو۔ اگرچہ تربیت کا وقت اب بھی نکل چکا تھا اور وہ وقت جب کوئی بات اپنا اثر اس کے دل پر ابدی طور پر چھوڑتی ضائع ہو چکا تھا لیکن پھر بھی تھوڑا یا بہت کچھ موقع باقی تھا مگر اس کا کیا علاج تھا کہ باپ کو خبر نہ ہوتی ماں پروا نہ کرتی اور اس کا دل اور شیر ہو جاتا۔ بھلا یہ بھی کوئی بات تھی کہ ملائی والی جو کھٹ پر بیٹھی ہے۔ نیچے پتھر کی دو سیڑھیاں ہیں شمس نے ملائی لی۔ تھوڑی سی اور مانگی۔ اس نے انکار کیا۔ غصہ میں جو دھکا دیا تو ملائی والی نیچے اور چھبیا اوپر۔ بدن لہولہان اور کپڑے لت پت۔ اس قسم کی حرکتیں تھیں جن پر توجہ نہ کرنے سے شمس روز بروز ابتر ہوتی گئی۔ یہ نہ تھا کہ باپ اس کی طرف سے غافل تھا اور اپنا تمام وقت قمر پر صرف کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ماں اس کی تربیت میں مصروف ہے اور وہ سینے پرونے باورچی خانے کے کاموں میں اس قدر مصروف رہتی ہے کہ اس کو زیادہ وقت میرے پاس آنے کا نہیں ملتا۔

ملیریا بخار کے دنوں میں ایک روز مغیرہ کے چھوٹے بچے کو شدت کا بخار

چڑھا اور ایک بچہ ہی کو نہیں قریب قریب سارا گھر بخار میں لوتھ۔ تندرست تھیں تو صرف دو بیٹیاں شمس اور قمر یا ادیس۔ اتفاق سے ایک روز اس کے کوئی دوست ملنے آئے اور یہ ایسے دوست تھے کہ ان کی دعوت کرنی پڑی۔ مامائیں دو تین تھیں مگر سب بخار زدہ۔ مغیرہ باورچی خانہ میں بیٹھی زردہ پکا رہی تھی۔ چھوٹا بچہ اور اس کی انّا بھی بیمار تھی۔ شمس سے کہا کہ "تو بہلا لے"۔ خدا معلوم شمس کیا نیکی کے دم میں تھی کہ بچّہ کو لے لیا اور بہلاتی ہوئی کوٹھے پر چلی گئی۔ ماں نے بہتیرا منع کیا کہ اوپر نہ لے جا مگر ایک نہ سُنی۔ اوپر جاکر کچھ دیر ادھر اُدھر پھرتی رہی اور پھر کیا خبر کیا خیال آیا کہ بچّہ کو لٹا دوسری چھت پر چلی گئی۔ بچّہ ادھر پڑا چلّا رہا ہے اور وہ دوسری چھت پر بیٹھی ہے۔ ماں سمجھ رہی ہے کہ بہلا رہی ہوگی۔ چھت دُور۔ بچّے کی آواز مغیرہ کے کان میں گئی بھی نہیں اور وہ بے فکری سے باورچی خانہ میں مصروف رہی۔ جب شام ہوگئی اور اندھیرا بھی خوب چھا گیا۔ تو اوپر سے نیچے اُتر اپنے بچھونوں میں آ لیٹ گئی۔ نو بجے کے قریب ماں فارغ ہوئی اور آکر دیکھا تو شمس بے خبر پڑی سو رہی ہے اور بچّے کا پتہ نہیں۔ چاروں طرف دیکھا کہیں نہیں۔ کوٹھے پر گئی تو بچہ بلک بلک کر تھک چکا تھا۔ شمس کو جگایا تو وہ نیند میں بے خبر۔ جھنجھوڑا، اُٹھایا پوچھا مگر جواب کیا خاک ملتا۔ لالٹین لے کر اوپر گئی تو دیکھا کہ بچّہ پڑا ہوا ہے اُٹھا کر لائی۔ مگر جل اتنا رہی تھی کہ اگر شمس جاگتی ہوتی تو شاید کچومر کر دیتی۔ کیا یہ تربیت کے تحت ہوتا؟ یہ تو اپنے غصہ کا بجھانا تھا نہ کہ اس کی تربیت! اس قسم کے واقعات دن رات اُس سے ظہور میں آتے۔ جھوٹ جس کے واسطے یہ مُسلّمہ فیصلہ ہے کہ اگر بچّے نے سیکھ لیا تو برباد ہوگیا۔ اُس کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ کسی چیز کا ناس کرنا اور غارت کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ ایک موقع پر تو اُس نے غضب ہی کیا کہ مغیرہ اپنی سگی خالہ کے یہاں گئی۔ انھوں نے ایک مکان تعمیر کیا تھا

تیار ہو گیا تو بھانجی کو بُلایا۔ مغیرہ اپنی دونوں بچیوں کو لے کر پہنچی۔ بہت دیر تک خوش خوش مغیرہ دیکھتی رہی۔ خالہ دکھاتی رہیں۔ دیکھ دکھا چکیں تو باہر صحن میں آکر بیٹھی۔ شمس نے ایک کنکر لے کر نئے مکان میں چونہ گچی کی دیواروں پر جو لکیریں کھینچنی شروع کیں تو تمام دیواروں کا ناس کر دیا۔ اسی طرح ایک موقع پر پان کی پیک فرش اُٹھا دری کے نیچے اس طرح تھوکی کہ چاندنی میں سے پھوٹ نکلی۔

المختصر ایک تربیت کے نہ ہونے سے جو جو ممکن عیوب تھے سب ہی شمس میں پیدا ہو گئے۔ البتہ پڑھنے میں وہ قمر سے کم نہ تھی بلکہ اس سے آگے ہی تھی۔

(۴)

مغیرہ :- کہو سلمہ سے مل آئے ؟

اویس :- ہاں مل آیا !

مغیرہ :- تم نے دیکھا کیا اچھی تعلیم و تربیت ہے ؟

اویس :- ہاں دیکھا۔

مغیرہ :- تو تم بھی انجینئرنگ سکول کو پسند کرتے ہو ؟

اویس :- تمھارا مطلب کیا ہے ؟

مغیرہ :- بچیوں کو وہیں بھیجدو۔

اویس :- مجھے تعجب ہے تم ایسی بات کیوں کر کہہ سکتی ہو ؟

مغیرہ :- اس میں تعجب کی کیا بات ہے ؟

اویس :- میں تعلیم کا ایسا شیدا نہیں نہ اس کو اتنا ضروری سمجھتا ہوں کہ سیانی لڑکیوں کو آنکھ سے اوجھل کرو۔ علاوہ ازیں انجینئرنگ اسکول کی جتنی تعریف سُنی تھی کیفیت میں ویسا نہیں پایا۔

مغیرہ :۔ وہ کیا؟

اویس :۔ کیوں منہ کھلواتی ہو۔

مغیرہ :۔ کہو کہنے میں کیا حرج ہے۔

اویس :۔ تمھاری خالہ زاد بہن ہے بُرا مانو گی۔

مغیرہ :۔ نہیں۔

اویس :۔ میں نے وہ دیکھا جو خدا کسی شریف آنکھ کو نہ دکھائے۔ ایک سولہ سترہ برس کی جوان اور کنواری میرے سامنے بغیر دوپٹے کے ایک انگریزی کوٹ اور سایہ پہنے کھڑی باتیں کرتے کرتے کولہ پہ ہاتھ رکھ کر قہقہہ لگاتی ہے اور اسی سلسلہ میں سینہ کو تان کر ایک قدم پیچھے ہٹ جاتی ہے۔ کیا شریف گھروں کی تہذیب یہی ہے اور اسی کا نام تعلیم ہے۔ میں ایسے مدارس کو جہاں سے مسلمان بچّیاں ایسی تعلیم لے کر نکلیں بازاری کوٹھوں کے برابر سمجھتا ہوں۔

مغیرہ :۔ مجھے تعجب ہے سلمہ بچپن میں تو ایسی نہ تھی؟

اویس :۔ ہاں تو پھر صحبت کا اثر ہوا یا نہیں؟

مغیرہ :۔ مگر ایسا اثر کہ اتنی بے حیائی؟

اویس :۔ بے حیائی تم سمجھتی ہو وہ تو نہیں سمجھتی۔ اُن کے ہاں تو یہ معمولی بات ہے۔ ایک یہ کیا بہت سی ایسی باتیں ہیں۔ کسی غیر مرد سے بات کرنا اُن کے یہاں معیوب ہی نہیں۔ بھلا تم ہی دیکھو اور بتاؤ جب عورت میں حیا ہی نہیں رہی تو وہ ہے کس کام کی۔ اس میں اور بازاری عورت میں کیا فرق رہا۔

مغیرہ :۔ اُس نے تمھارے سامنے یہ حرکت کی؟"

اویس :۔ آخر مجھے اس بے چاری پر جھوٹ بولنے سے کیا حاصل۔ کوئی وہ میری دشمن

نہیں کہ بہتان رکھوں۔ جو آنکھ سے دیکھا وہ کہہ رہا ہوں۔

مغیرہ:۔ بے شک یہ تو بہت ہی تعجب کی بات ہے۔

اویس:۔ اور لیجئے میں جس وقت پہنچا ہوں۔ میں نے کنڈی کھٹکھٹائی۔ ماما دروازہ پر آئی۔ دیکھ کر اندر گئی پھر مجھے بلایا۔ میں گیا ہوں تو سب سے پہلے اُس نے مجھ سے بلاتکلف ہاتھ ملایا۔ اگر سچ پوچھو تو وہ اُستانی تمھاری بہن ہے مگر عمر کے اعتبار سے میری لڑکی سے کچھ ہی بڑی ہے۔ اگر ادب وغیرہ نہیں تو کم از کم سلام علیک تو کرتی یا چھوٹتے ہی ہاتھ ملایا۔ اور کہتی ہے۔ اہا بھائی صاحب ہیں تشریف لائیے۔ اس کے بعد اُس کی گفتگو اور بھی لغو تھی۔ شاید ایک فقرے میں چار لفظ انگریزی کے بولتی تھی۔ میں تو جتنی دیر تک بیٹھا جلتا ہی رہا۔

مغیرہ:۔ خیر میں کل جا کر ٹھیک بناؤں گی۔

اویس:۔ کیا فائدہ!

(۵)

قمر بیٹی مجھے بہت افسوس ہوا کہ کل رات کو تم نے مہمانوں میں اپنی اور ہماری ناک کٹوادی۔ تم اب بچہ نہیں ہو کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی نہ سمجھ سکو۔ میں نے تم کو صرف اس واسطے دسترخوان پر بلایا تھا کہ تمھاری حالت دیکھ کر لوگ خوش ہوں گے اور تمام عزیز تمھاری تعریف کریں گے۔ تم نے اور اُلٹا نتیجہ دکھایا۔ مجھے خبر ہوتی تو ہرگز بھی تم کو نہ بلاتا۔ جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے مجھے یہ کہنے میں مطلق تامل نہیں کہ شمس کا سبق تم سے بہت اچھا تھا۔ اس نے درزی کی کہانی اور مولانا حالی کی نظم ایسی فرفر سُنائی کہ بہت ہی جی خوش ہوا۔ تم کو سبق تو یاد نکلے گا مگر ایسے نہیں کہ تعریف کی جائے

اس پر تربیت کا جو تم نے ناس کیا ہے۔ وہ تو شاید ایک ایسا دھبہ ہے کہ مدتوں میرے
ماتھے سے نہیں چھوٹ سکتا۔ جس وقت تمھاری نانی صاحبہ کی ڈولی اُتری ہے اور
انھوں نے تم کو گلے لگا کر پوچھا ہے کہ بی بی کیا پڑھتی ہو تم آگے ہو یا شمس؟ اس وقت
میں نے تمھارے سامنے ہی کہا تھا کہ پڑھنے میں تو دونوں برابر سرابر ہی ہیں مگر اس
کی تربیت کی طرف میں خاص طور پر متوجہ ہوں۔ کچھ اس لئے کہ اس کی طبیعت میں صلاحیت
ہے اور کچھ اس لئے کہ اس سے زیادہ وقت میرے پاس نہیں ہے۔ میں شمس کو کچھ
نہیں بتا سکتا۔ وہ ابھی تک بچپن ہی کے چکر میں پڑی ہوئی ہے۔ حالانکہ عمر میں اس
سے بڑی ہے۔ یہ ماشاء اللہ ہے تو چھوٹی لیکن ایسی شائستہ اور خاموش ہے کہ
دیکھ کر جی خوش ہوتا ہے۔ اس سے آپ ایک بات کیجئے مغز کے کیڑے چاٹے جائے
گی اور یہ بلاضرورت بات نہیں کرتی اور جس قسم کی لڑکیاں آج کل مسلمانوں کو چاہئیں
مجھے اُمید ہے کہ اگر یہ زندہ رہی اور میں بھی اس کی طرف اسی طرح توجہ کرتا رہا تو
ایسی ہی لڑکی ہوگی۔" اس گفتگو کے بعد ضرورت تھی کہ تم اس کا لحاظ رکھتیں اور ایک
بات بھی ایسی نہ کرتیں کہ میرا بیان جھٹلایا جاتا۔ افسوس تم نے اپنی عزت، میری
عزت، اپنی ماں کی عزت، میری گفتگو سب پر پانی پھیر دیا۔ انھوں نے تم سے صرف
اتنا پوچھا تھا کہ "کیوں بھئی قمر تم کو سالن اچھّا معلوم ہوتا ہے یا دال؟" اس کا
جواب تم کو کیا دینا چاہیئے تھا۔ اور دینا کیا چاہیئے تمھارا خیال یہی ہوتا کہ خداوند کریم
اپنے فضل سے روزانہ اپنی نعمتیں عطا فرماتا رہتا ہے۔ یہ چیزیں جو اس وقت
دسترخوان پر میسر آئی ہیں۔ یہ بھی اس کا انعام ہیں۔ بظاہر دال سالن میں فرق ہو مگر
اس کے واسطے کیسی کیسی محنتیں کی جاتی ہیں۔ دال کہنے کو معمولی چیز سہی مگر کیا اسکے
اسباب پر نظر نہیں ہے جو اس کے فراہم ہونے میں استعمال کئے گئے ہیں۔ کسان نے
زمیندار نے بقال نے اس کے ساتھ جو مشقت کی ہے اور بالآخر اس کی وہ وقعت

جو اس وقت تھی جب یہ بقّال کے پاس موجود تھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔ نانی صاحب میری رائے میں تو دال سالن دونوں ہی ایک مالک حقیقی کے انعام ہیں۔ وہ مختلف صورتوں میں اپنے بندوں کو رزق عطا فرماتا ہے۔ ایک پر ایک کو ترجیح دینا اس کی ایک نعمت کو بے قدر کرنا ہے۔ جو کچھ اس نے عطا فرمایا نعمت اور ہم اس کے شکر گزار رہیں۔ میری کیفیت تو یہ ہے کہ جو چیز میرے سامنے دستر خوان پر آتی ہے اس کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ مجھ جیسی گنہگار کو یہ نعمت عطا فرمائی۔

بیٹی زیادہ سے زیادہ اس کا جواب یہ تھا اگر اس کے آگے وہ تم سے اصرار کرتیں تو تم کو بتا دینا چاہیئے تھا کہ تم کس چیز کو زیادہ رغبت سے کھاتی ہو۔ تم نے تو کمال کیا کہ ایک سوال کے جواب میں گھنٹہ بھر تک ان کا مغز ہی چاٹتی رہیں۔ تم کو یہ پوچھنے کا حق کیا تھا کہ آپ کے ہاں بھادل پور میں معاش کی دال ہوتی ہے یا نہیں؟ بزرگوں سے جو باتیں کی جائیں ان میں کوئی بلا ضرورت نہ ہونی چاہیئے۔ ہونے سے تم کو کیا فائدہ اور نہ ہونے سے تم کو کیا نقصان؟ اس سوال کی کوئی ضرورت بظاہر معلوم نہیں ہوتی تھی۔ اس بات کو جانے دو۔ اُن کے آگے صرف ایک کباب طشتری میں رکھا ہوا تھا تم کو ان کی طشتری میں سے کباب توڑ کر کھانے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر تمہاری اپنی طشتری میں ہوتا تو تم شوق سے کھاتیں۔ یا تم سے کہا جاتا کہ تم بھی اس میں سے کھاؤ تو بھی تم کو حق تھا۔ جب تم سے کہا نہیں گیا تو تم ان کے ہاں سے کھانے والی کون تھیں؟ ایک بات ہو تو کہوں میں تم کو بیٹھا دیکھتا رہا اور جلتا رہا۔ پان کو بھی ابھی کسی نے ہاتھ نہیں لگایا دیکھا تک نہیں اور تم نے سب سے پہلے اُٹھا کر کھا لیا! اوّل تو تم کو اس کی طلب نہیں اور پھر تمہارا جی بھی چاہتا تھا تو جب سب بڑے کھا لیتے اور بچتا تو کھا لیتیں۔ تم نے ہاتھ دھوئے تو اس بری طرح کہ اس کو دیکھ کر جلنا پڑا۔ ایک دوسری بیہودگی تم نے یہ کی کہ کلّی نہ کی اور جو کی وہ کلّی نہیں کہی جا سکتی۔ کلّی کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ منہ

میں پانی لیا اور تھوک دیا۔ مگر تم کرتیں کیا تم کو تو پان کھانے کی جلدی تھی۔ صبر کیوں کر ہوتا۔ کلّی کے ہاتھ سے پانی منہ میں لے کر انگلی سے چاروں طرف دانت اور مسوڑھے صاف کرتیں تاکہ خوراک کے جو ذرّے اِدھر اُدھر چمٹ گئے ہیں وہ صاف ہو جائیں نہ کہ محض فرض اُتارنا تھا۔ آخر نانی بھی تو نانی تھی۔ تم سے مجھ سے عمر میں زیادہ دیکھ تو چلتے وقت کیا کہہ گئیں کہ "میاں اویس کو قمر زیادہ ہو۔ ہم کو تو دونوں آنکھیں ایک ہیں۔" اس کا مطلب کیا تھا کہ قمر بھی کچھ کم بدتمیز نہیں اور لو چکنے ہاتھ جو اچھی طرح دُھلے تک نہیں تھے تم نے جھٹ سے اُجلے تولیہ سے پونچھ لئے اور سب سے پہلے کہ اور کسی کا پونچھنے کو جی نہ چاہے۔ اگر پہلے ہی ضرورت تھی تو ایک کونہ سے پونچھے ہوتے نہ کہ بیچ میں کہ سب کی نگہ اس پہ پڑے۔ ہاں تو یہ بتاؤ۔ دو تولیہ تھے ایک بڑا انگریزی اور ایک گاڑھے کا۔ تم کو گاڑھے کے چھوٹے تولیہ سے ہاتھ پونچھنے مناسب تھے۔ کیونکہ دوسرا بڑا تولیہ مہمانوں کے واسطے تھا۔ کیا وہ تمھارے واسطے نکالا گیا تھا؟ اب اور کیا کہوں۔ ایک بات بھی تو تم نے ایسی نہ کی کہ جی خوش ہوتا۔ اتنے دنوں کی محنت اور توجہ سب غارت ہو گئی۔ بس اب تم جانو اور تمھارا کام۔ میں اب تم کو نہ کچھ پڑھاؤں گا نہ بتاؤں گا۔"

اویس نے یہ جو کچھ کہا قطعاً صحیح نہ ہو مگر کچھ نہ کچھ اصلیت اس کی ضروری اور یہ مبالغہ ضرورتاً تھا کہ قمر کے ذہن نشین اچھی طرح ہو جائے کہ یہ حرکت جو اس سے سرزد ہوئی کیا نتیجہ رکھتی ہے۔ اس کے مزاج میں خوف۔ مروّت۔ شرم، حیا کا مادّہ موجود تھا۔ باپ کی یہ گفتگو خفگی یا قیاس ایسا نہ تھا کہ اس کان سنتی اور اُس کان اُڑا دیتی۔ سہم گئی اور زار زار رونے لگی۔ جس وقت اس نے یہ کہا کہ اب نہ کچھ پڑھاؤں گا نہ بتاؤں گا تو اس کی حالت عجیب تھی۔ اُس سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور باپ کے قریب آ کر کہنے لگی۔ "ابّا جان اب سے ایسا نہ کروں گی۔ معاف کر دیجئے۔"

ماں بھی سامنے بیٹھی تھی اور وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ قمر ان غلطیوں کی مو بمو مرتکب نہ ہوئی ۔ اس میں ضرور کچھ مبالغہ کیا گیا ہے ۔ مگر اُس نے اس لیئے کہ یہ اُس کے فائدے کے متعلق تھا ۔ خاموش بیٹھی رہی ۔ قمر نے باپ سے معافی چاہی تو ماں کے چہرے پر مسکراہٹ آئی ۔ مگر اس نے مُنہ پھیر لیا ۔ اُس نے لڑکی کو پاس بلایا اور کہا ۔ " اچھا میں اب معاف کر دیتا ہوں مگر دیکھو آئندہ ایسا کرو گی تو پھر میں تم سے بات نہ کروں گا ۔ ہمیشہ یاد رکھو کہ دوسروں کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھ جانا آسان ہے مگر کھانے میں کسی قسم کی بدتمیزی نہ کرنا مشکل ہے ۔ اگر زیادہ غور سے دیکھا جائے تو بڑے بڑوں سے لغزش ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کی تربیت میں احتیاط نہیں کی گئی ۔ نوالہ چپڑ چپڑ کر کے یا پانی سڑ سڑ کر کے اس طرح پینا کہ برابر والوں کو ناگوار ہو بہت بڑی بدتمیزی ہے ۔ مگر بہت سے آدمی ہیں کہ اس کی مطلق احتیاط نہیں کرتے اور اُن کے کھانے پینے کی آواز سے برابر والوں کو تکلیف ہوتی ہے گو وہ زبان سے کچھ نہ کہیں خواہ مروّت کی وجہ سے یا خوف کی وجہ سے ۔ لیکن بدتمیزی کا جو فعل اُن سے سرزد ہوتا ہے وہ تو بدتمیزی ہی ہے ۔ اسی طرح کسی دوسرے کے آگے سے کوئی چیز اُٹھا کر کھا لینا بھی ایک قسم کی سخت بدتمیزی ہے جس میں اکثر گرفتار ہیں ۔

ایک خاص بات جس پر میں اس وقت تم کو متوجہ کرتا ہوں اور ہے کھانے کا موقع اگر کسی بے تکلف شخص کے ہاں بھی ہو تو مہمان کو چاہیئے کہ وہ میزبان کو یہ معلوم نہ ہونے دے کہ مہمان نے کون سی چیز زیادہ رغبت سے کھائی ۔ یہ ظاہر ہے کہ اس کا پتہ اس وقت چلے گا جب مہمان ایک چیز پہ اندھا ہو کر گرے گا اور دوسری چیزوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھے گا ۔ جس کے معنی یہ ہوں گے کہ شاید مہمان نے آنکھ کھول کر کبھی یہ چیز دیکھی نہیں ۔ مناسب یہ ہے کہ دستر خوان پر جس قدر

چیزیں کھانے کے واسطے آئیں ان کو حصّہ کے موافق کھانا چاہیئے اور یہ نہ کرنا چاہیئے کہ بریانی ساری اُڑا گئے۔ گھر میں برتن گئے یا دسترخوان سے اُٹھے تو بریانی کی رکابیاں صفاچٹ اور دال کی طشتریاں جوں کی توں۔

قمر بیٹی یہ ایسی باتیں ہیں جو روزمرّہ انسان کو پیش آتی رہتی ہیں، اور ہر عورت اور لڑکی کا فرض ہے کہ ان باتوں کی طرف خصوصیت سے توجہ کرے۔ لو جاؤ اب تم بچھونے پر لیٹو۔ ہاں تم نے نماز پڑھ لی ہے؟"

قمر:۔ جی ہاں۔

اویس:۔ اب کیا کرو گی؟

قمر:۔ بچھونے پر پہنچ کر پہلے اپنے تمام کاموں پر غور کروں گی کہ آج صبح سے اس وقت تک کیا کام کئے۔ اس کے بعد یہ دیکھوں گی کہ ان میں سے کس قدر میری اپنی ذات سے متعلق تھے۔ کس قدر دوسروں کی اور کس قدر خدا کی۔ جب ان تمام کاموں پر نظر ڈال لوں گی تو تخمینہ کر لوں گی۔ اس کے بعد خداوند کریم کا شکریہ ادا کروں گی کہ اس نے آج کا دن بخیر وخوبی بسر کروا دیا۔ اور میرے ہاتھ پاؤں اس قابل تھے کہ میں یہ کام انجام دیتی۔ سب سے آخر میں اس کی بارگاہ میں دُعا کروں گی کہ وہ اسی طرح ہم پر ہمارے گھر پر اور سب مسلمانوں پر اپنا فضل وکرم رکھے۔

اویس:۔ شاباش، تم صبح کس وقت اُٹھتی ہو؟

قمر:۔ چونکہ سب دیر سے اُٹھتے ہیں اور میں نماز فجر کے واسطے وقت پر اُٹھنا چاہتی ہوں۔ اس لئے جس طرح آپ نے بتا دیا ہے۔ اپنا ٹائم پیس کوک دیتی ہوں۔ پانچ بجے "الارم" بجنا شروع ہو جاتا ہے۔ چونکہ میرے سرہانے ہوتا ہے فوراً اُٹھ بیٹھتی ہوں۔ اس وقت چڑیاں بولتی ہوتی ہیں۔ میں

جلدی سے اُٹھ کر دیا سلائی چولھے میں دکھا دیتی ہوں۔ پانی کی گھڑیا رات ہی کو بھر کر رکھوا دیتی ہوں۔ جلدی سے پانی گرم ہو جاتا ہے۔ وضو کرتی ہوں اور نماز کو کھڑی ہو جاتی ہوں۔

اویس:۔ تمھاری اماں کس وقت اٹھتی ہیں؟

قمر:۔ اماں جان تو جب آپ ہوا خوری سے واپس آجاتے ہیں۔ اس کے بعد اُٹھتی ہیں۔

اویس:۔ اور شمس؟

قمر:۔ وہ ان کے بعد اُٹھتی ہیں۔

(۶)

دونوں لڑکیوں کی تعلیم پر شریف گھرانوں میں جس قدر توجہ ہوتی اُتنی ہی مُغیرہ کے ہاں بھی ہو رہی تھی۔ اُستانی بھی تھی مغلانی بھی اور دونوں اپنی طرف سے پڑھانے اور بتانے میں کسر نہ رکھتی تھیں۔ مگر قمر کی طرف چونکہ باپ کی خاص نظر تھی اور وہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ بغیر تربیت کے تعلیم بے سود ہے اُس لئے اُس کی افتاد لاریب قابل داد تھی۔ مگر افسوس شمس باوجود سبق میں آگے اور علم میں زیادہ ہونے کے فقط اس سبب سے کہ ماں اس کی تربیت پر متوجہ نہ تھی ہاتھوں سے نکلی جا رہی تھی اور اگر سچ پوچھو تو نکل چکی تھی اور اب ٹھنڈے لوہے پیٹے سے درست ہونے والے نہ تھے۔ دو چار دفعہ نہیں بارہا اس کی بدعنوانیاں اس وقت کی جب وہ چھوٹی نہیں بلکہ خوب سیانی ہو گئی تھی۔ اس کے علم میں تھیں بلکہ ایک دفعہ تو مس ہاربرٹ کی چھٹی اُس نے آنکھ سے دیکھی جس میں شکایت تھی اور لکھا تھا کہ تم اپنی بچی شمس کی تربیت پر خاص توجہ کرو۔ لیکن اس علم پر بھی وہ مجبور تھا۔ یہ

نہیں کہ اس کی ماں کے انتظام میں کوئی دخیل نہ ہو بلکہ اس لئے کہ اب اس کی عمر نہیں تھی۔ گیارہواں سال پورا ہو کر بارہواں شروع ہو چکا تھا اور یہ وقت کھینچ تان کر زیادہ سے زیادہ اس قابل تھا کہ زبان سے جو کچھ کہہ سکتا تھا کہہ لیا۔ مار پیٹ کے دن نہ تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اگر بچے درست ہو سکتے ہیں تو مار کے خوف سے نہ کہ مار سے۔ اگر بچّہ کو یقین دلا یا جائے کہ اس غلطی کے ارتکاب سے وہ پٹے گا تو ضرور ہے کہ مار کا خوف اس کو غلطی اس غلطی کے کرنے سے روک دے لیکن جب وہ پٹ گیا اور مار کا مزا چکھ لیا تو دونوں چیزیں اُس کے سامنے ہیں۔ مار کی تکلیف اور غلطی کا مزہ۔ ان دونوں کو وزن کرنے کے بعد اگر غلطی کا وزن زیادہ ہے تو بہت ممکن ہے کہ وہ غلطی دوبارہ کر بیٹھے۔

اس واسطے کہا جاتا ہے کہ بچّے پٹنے سے ڈھیٹ ہو جاتے ہیں۔ کھلائے سونے کا نوالہ، دیکھے شیر کی نظر۔ اگر بچّے غصّہ سے ڈرتے ہیں اور مار کا خوف اُن کے دل میں بیٹھا ہوا ہے تو کسی غلطی کا ارتکاب نہ کریں گے۔ یہی وجہ تھی کہ اویس شمس کی سخت سے سخت غلطیوں پر بھی جو اس کے کان میں آتی تھیں سزا دینے سے پرہیز کر رہا تھا۔ مگر جب ایک روز ادھر تو مس صاحبہ کا خط اُس نے دیکھا اور اُدھر اس نے یہ غضب کیا کہ اویس کی ڈاک میں مُغیرہ کا خط جو اس کی چچّی نے بھیجا تھا آیا اور اُس نے فوراً ہی بند کا بند گھر میں بھیج دیا۔ مغیرہ کسی کام میں مصروف تھی اور شمس باہر بیٹھی ہوئی ضد کر رہی تھی کہ مجھ کو گھی اور آٹا دے دو۔ حلوا تیار کر دوں گی۔ ماما نے خط لا کر دیا۔ شمس باہر بیٹھی ہوئی تھی خط لیا اور کہنے لگی "اوہو یہ چچی جان کا ہے" چچی کا نام سُن کر ماں کہنے لگی "لاؤ دیکھوں" مگر اُس نے نہ دیا۔ ماں کی طلب جس قدر زیادہ تھی اسی قدر اس کا انکار ترقی کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ

ماں خود اٹھی کہ خط لے اس کے ساتھ ہی وہ بھی اٹھی کہ نہ دے۔ ایک طرف وہ کھڑی تھی اور دوسری طرف وہ خط مانگ رہی تھی اور یہ گھی آٹا۔ جب زیادہ دیر ہو گئی تو ماں نے قسم کھالی کہ "چاہے کچھ ہو اس وقت گھی اور آٹا نہ دوں گی۔" ماں کے قسم کھانے سے اس نے بھی قسم کھالی کہ "نہ دو گی تو خدا کی قسم خط بھی نہ دوں گی۔" اب تو مغیرہ چکرائی اور باہر نکلی کہ ہاتھ پکڑ کر چھین لے لیکن جب تک وہ پہنچی۔ شمس نے خط جھپر جھپر کر دیا۔ ایک عجیب اتفاق ہوا۔ اُدھر اس نے خط پھاڑا ادھر مغیرہ نے چیخ کر کہا۔ "ارے بے ایمان کیا غضب کیا۔" اس کے ساتھ ہی ادیس گھر میں گھسا۔ میاں کی صورت دیکھتے ہی مغیرہ آپے سے باہر ہو گئی اور کہنے لگی "دیکھو کمبخت نے خط پڑھنے بھی تو نہ دیا نہ معلوم کیا لکھا تھا اور پرزے پرزے کر دیا کہ یا تو گھی آٹا دو نہیں تو پھاڑتی ہوں۔" اوّل تو شمس کا یہ فعل معمولی نالائقی نہ تھی۔ دوسرے مغیرہ کی پریشانی۔ تیسرے اتنا غصہ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ادیس شمس کا ہاتھ پکڑ کر سامنے کے کمرے میں لے گیا۔ آپے سے باہر تھا۔ ہاتھ میں بید تھی۔ خدا جانے سو ماریں یا دو سو۔ پچاس یا ساٹھ۔ مگر یہ سب نے دیکھا کہ تین روز تک بدن پر نیل پڑے ہوئے تھے۔ جب ہاتھ تھک گئے اور وہ بھی نڈھال ہو کر گر پڑی تو باہر آیا اور بیوی سے بات نہ کی۔ اُلٹے قدموں باہر چلا گیا۔

جو لوگ خیال کرتے ہیں کہ مار سے اولاد درست ہو جاتی ہے یا جن کو مارنے کی عادت ہے اُن کا خیال اور عادت اس واقعہ سے تبدیل ہو جانا چاہیئے کہ بے حیا شمس بجائے اس کے آئندہ کو توبہ کر لیتی اور سوچتی کہ نہ معلوم کیسی ضروری بات اس میں لکھی ہے اور اس کے نہ معلوم ہونے سے کتنے آدمیوں کو تکلیف پہنچے گی اور کس کس کا نقصان ہوگا اور ڈھیٹ ہو گئی۔ یوں بچپن میں ایک آدھ تھپڑ ماں نے کبھی مار لیا ہو تو مار لیا ہو۔ مار جس چیز کا نام ہے وہ تو عمر بھر میں پہلی دفعہ

آج ہی پڑی تھی، اور باپ کے ساتھ ماں کو بھی گو وہ کڑھ بھی رہی تھی۔ یہ یقین ہو گیا کہ اب کبھی ایسی خطا اس سے نہ ہوگی۔ مگر تیسرے دن دھویا دھایا دیدہ صاف تھا اور مار ایسی تھی جیسے چکنے گھڑا بوند پڑی اور پھسل گئی۔ مشکل سے دو یا تین روز اس کے دل پر یہ اثر رہا۔ اور اس کے بعد تو حالانکہ جسم پر نشان موجود تھے اسے یاد بھی نہ تھا کہ کب پٹی اور کیوں پٹی۔ شاید نواں یا آٹھواں روز ہوگا کہ بڑے لیمپ کی چمنی توڑ دی اور یہ وہ چمنی تھی جو اویس کو بہت پسند تھی۔ اویس کی نظر پڑی تو وہ افسوس کرنے لگا اور بیوی سے پوچھا "یہ کس کی غفلت سے ٹوٹی لیمپ تو باہر سے جل کر آتا ہے۔ تم اتنا نہیں دیکھ لیتیں کہ لو زیادہ تو نہیں ہے۔"

شمس کی نالائق طبیعت کا ایک یہ بھی خاصہ تھا کہ وہ قمر کو دیکھ دیکھ کر جھنجھنی جاتی تھی اور جس روز سے پٹی تھی اس کو سب سے زیادہ فکر یہی تھا کہ میں پٹی اور یہ بچی۔ کوئی تدبیر ایسی ہو کہ یہ اگر مجھ سے زیادہ یا میرے جتنی نہیں تو کچھ تو پٹے۔ اس وقت اویس نے بیوی سے پوچھا ہی تھا کہ خود بول اٹھی "باہر سے تو ٹھیک آئی تھی۔ قمر نے بڑھا دی۔ میں نے منع بھی کیا کہ چمنی چٹخ جائے گی مگر اس نے نہ سنا" یہ صریح جھوٹ تھا اور قمر بھی بیٹھی ہوئی سن رہی تھی۔ ارادہ کیا کہ جواب دے۔ مگر ساتھ ہی خیال آیا کہ شمس بڑی ہے خود ہی ابا جان فیصلہ کریں گے کہ سچ کہتی ہیں یا جھوٹ۔ مجھ کو اس وقت تک نہ بولنا چاہیے جب تک مجھ سے نہ پوچھیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ خاموش بیٹھی سنتی رہی۔ اویس سمجھ تو گیا مگر قمر سے کہنے لگا "بیٹی تم نے تو کمال کیا کہ جان بوجھ کر چمنی توڑ دی اور چپکی سن رہی ہو۔ جواب نہیں دیتیں کہ آخر اس بیچاری نے کیا قصور کیا تھا جس کی سزا ملی۔ بجائے اس کے کہ تم سے والدین کے گھر کی زینت بڑھے اور تنزل ہوا۔ واہ بھئی واہ!"

قمر:۔ میں آپا جان کو جھٹلاتی تو نہیں کہ یہ غلط کہہ رہی ہیں۔ کیونکہ بڑی ہیں۔ ممکن ہے ایسا ہوا ہو۔ مگر مجھ کو یاد نہیں کہ میں نے ہی زیادہ کی تھی اور جواب نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ آپ اماں سے دریافت کر رہے ہیں۔ میں دخل درمعقول دینے والی کون! اب آپ نے مجھ سے فرمایا تو میں نے عرض کر دیا؟

شمس:۔ جس روز ننھا رو رہا تھا اور اماں جان سر گندھوا رہی تھیں اس روز کا ذکر ہے، بھول کیوں گئیں؟ اتنی موٹی بات یاد نہیں واہ واہ!"

قمر:۔ میں عرض تو کرتی ہوں مجھ کو یاد نہیں آپ کو یاد ہے تو درست ہی ہوگا لیکن میں تو ان باتوں کی بہت احتیاط کرتی ہوں۔ عدیہ ہے کہ ابا جان کی چھوٹی مسہری پرسوں باہر رہ گئی مگر میں خود اٹھا کر اندر لے گئی کہ کہیں رات بارش نہ ہو جائے۔

اویس:۔ خیر جانے دو۔ مگر مجھے ہوا افسوس کہ چمنی ٹوٹ گئی اور اب ایسی چمنیاں بہت کم آتی ہیں۔

اویس کھانا کھا پی باہر چلا گیا تو ماں نے شمس سے کہا "کیوں ری جھوٹی تو اس روز اس قدر پٹی مگر اب تک تیری یہ عادتیں نہ گئیں۔ کہاں لیمپ اور کہاں بیچاری قمر۔ اس نے کس دن بتی بڑھائی تھی؟ کیا تیرا مطلب یہ ہے کہ تیری طرح یہ بھی پٹتی؟ اول تو اس نے بڑھائی نہیں اور اگر بڑھائی بھی تھی تو کیا یہ قصور ایسا تھا کہ اس کی کھال اڑا دیتے؟"

شمس:۔ تم تو اس کی طرف بولو ہی گی مجھے کیا اس سے دشمنی ہے جو اس پر الزام اٹھاؤں گی۔ خود اپنی آنکھ سے دیکھا ہے؟"

قمر:۔ میں تو پہلے ہی عرض کر رہی ہوں کہ ممکن ہے ایسا ہوا ہو۔ مگر مجھے یاد نہیں۔

شمس:۔ مکرنے کی دوا تو لقمان کے پاس بھی نہیں؟

مغیرہ:۔ بس چپ ہو جاؤ۔

(۷)

میں حیرت میں ہوں کہ دفعتاً تمھاری حالت میں یہ انقلاب عظیم کیونکر واقع ہو گیا کہ تم نے اپنی معاشرت بالکل تبدیل کر دی۔ صبح کی چائے تمھارا معمول تھا اور ایک چار پر ہی کیا منحصر ہے۔ ولایت کا اثر تمھاری رگ رگ سے ٹپک رہا تھا تم نے ہمیشہ چھری کانٹے سے کھانا کھایا۔ میز کرسی پر بیٹھے۔ لیکن میں اب دیکھتی ہوں کہ تمھارے خیالات کہیں سے کہیں پہنچ رہے ہیں۔ چائے تم نے چھوڑ دی۔ میز کرسی تم نے غارت کی۔ دھوتر اور گاڑھا پہن رہے ہو اور چاہتے یہ ہو کہ بیوی بچے بھی اس رنگ میں رنگ جائیں۔ یہ طوفان جو بلائے بے درماں کی طرح اُٹھ رہا ہے اس نے تم کو بھی لپیٹ لیا ہے۔

اویس:۔ تم جو کچھ کہتی ہو نہایت درست ہے لیکن اگر ایک شخص عمر بھر غلطی میں مبتلا رہا ہو اور آخر وقت اس کو اپنی غلطی معلوم ہو گئی تو کیا تمھاری رائے میں اس کو اپنی غلطی کا اعتراف نہ کرنا چاہیئے؟

مغیرہ:۔ نہیں میرا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے مگر یہ تو معلوم ہو جائے کہ جو کچھ وہ کر رہا تھا غلطی تھی۔ جس کو تم غلطی سمجھ رہے ہو بہت ممکن ہے وہ صحت ہو اور جس کو صحت سمجھتے ہو وہ غلطی ہو۔

اویس:۔ اُس کا فیصلہ کس طرح ہو؟

مغیرہ:۔ میں اور تم دونوں گفتگو کر لیں۔

اویس:۔ تم اس کے لئے تیار رہو؟

مغیرہ:۔ تیار کیا ہوں۔ میں بھری بیٹھی ہوں۔

اویس:۔ کہو کیا کہتی ہو اب۔

مغیرہ :- تم ہی بسم اللہ کرو۔

اویس :- میں تو جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔

مغیرہ :- اس کو جانے دو اب کہو؟

اویس :- میں نے اب تک جو کیا تھا غلطی تھی۔

مغیرہ :- وجہ؟

اویس :- جس چیز نے مجھ کو اس خاص حالت پر مجبور کیا۔ وہ ایک دن کا واقعہ ہے۔ جس کی کیفیت یہ ہے۔

میں ایک روز صبح کے وقت ہوا خوری سے واپس آ رہا تھا۔ چرچ مشن کے سامنے ایکسٹرا اسپتال کے قریب میں نے ایک بخار زدہ عورت کو دیکھا جس کی گود میں ایک ڈھائی تین برس کا بچہ تھا۔ یہ بچہ جس کے پاؤں میں ایک کانٹا چبھ جانے کی وجہ سے پیپ پڑ گئی تھی۔ نہایت کرب میں مبتلا تھا اور اپنی بیمار ماں کو جو کبھی لیٹتی تھی کبھی بیٹھتی تھی بہت ہی پریشان کر رہا تھا۔ اُس عورت نے مجھ سے سوال کیا میں نے اس کو ایک پیسہ دے دیا۔ اُس نے کہا "میں فقیر نہیں ہوں مجھ کو دو آنہ کی ضرورت ہے۔ اگر دیتے ہو تو دو آنے دے دو۔ میرے پاس اس وقت نہیں ہیں ورنہ نہ مانگتی۔" اس کے اس کڑک کر جواب دینے سے مجھے تعجب ہوا اور میں نے قریب جا کر پوچھا کہ "فقیر نہیں تو مانگتی کیوں ہے؟" اس نے کہا۔ میں فقیر تو نہیں ہوں جو دوسروں کی جیبوں سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ البتہ مفلس ضرور ہوں۔ میں گو بیوہ ہوں اور اس کمائی سے محروم جس سے عورت دنیا میں عیش کرتی ہے لیکن ایک ایسے بچے کی ماں ہوں جو ایک روپیہ روز کا مزدور ہے اور اتنا سعادت مند کہ اپنی ساری مزدوری صاحب اولاد ہونے کے باوجود میرے ہاتھ میں لا کر دے دیتا ہے۔ اور ہم سب یعنی میں اور میرا بچہ وہ اس کی بیوی اور بچے اس میں اچھی طرح اپنا

گزارہ کر لیتے ہیں۔ آج صبح کو میں نے ارادہ کیا کہ اس بچے کو جو تین روز سے بخار میں بیہوش ہے حکیم کو دکھا دوں۔ حکیم صاحب نے کہا "اس کو کسی جراح کے پاس لے جا۔ وہ چیرا لگا دے گا۔ میں نے پوچھا جراح کہاں ہے۔ کہا، شفاخانے جا۔ میاں یہاں سے خدا جھوٹ نہ بلائے تو دو کوس پہ میرا گھر ہے۔ بچہ کو گود میں لے گرتی پڑتی یہاں پہنچی۔ بخار دیکھ تو مجھے بھی چڑھا ہوا ہے۔ اکہ والا چار آنہ مانگتا تھا۔ میرے پاس کل تین پیسے تھے۔ ایک روپیہ روز میں ہوتا ہی کیا ہے۔ آٹھ دم کھانے والے۔ آٹھ آنے کا تو آٹا ہی ایک وقت کا ہو گیا۔ یہاں پہنچی تو میم صاحب نے کہا "جاؤ دوسرے کمرے میں چیرا لگواؤ۔" وہاں ایک کو لنسی بیٹھی تھی کہنے لگی "دو آنہ لاؤ" میں نے کہا "یہ تین پیسے موجود ہیں" کہنے لگی "نکل جاؤ" چلی آئی۔ اب چلا نہیں جاتا۔ پانچ پیسے بڑی بات نہیں۔ اللہ رکھے میرے بچے کو مگر دو کوس کا آنا جانا مصیبت ہے۔ پھر جاؤں اور پھر آؤں۔ ہاں میں بھول گئی۔ میں نے تم سے دو آنہ کیوں مانگے تھے پانچ پیسے اور چاہئیں۔"

بیگم تم سے سچ کہتا ہوں اس کی گفتگو سن کر میرا دل لرز گیا۔ میں نے اس کو پیسے دیئے اور وہیں ٹھیرا رہا۔ وہ گئی اور چیرا دلوا کر چلی آئی۔ میں نے اتنے میں اس کے لئے تانگہ کر رکھا تھا۔ بہتیرا ہی اس سے کہا کہ بیٹھ جا۔ مگر وہ نہ بیٹھی اور کہنے لگی "یہ پیسے قرض لئے ہیں۔ گھر کا پتہ بتا دو، پہنچا دوں گی۔" مختصر یہ کہ عجیب آن بان کی عورت تھی۔ تانگہ والے نے سمجھایا، میں نے کہا۔ رستہ چلتوں نے کہا۔ مگر ایک دفعہ جو "نا" نکل گئی پھر "ہاں" نہ کی اور میں اپنا سا منہ لے کر چلنے لگا تو دو ایک دفعہ کہنے لگی "میاں کہاں رہتے ہو؟" مجھ کو بھی غصہ آ گیا۔ میں نے پتہ بتایا اور کہا اتنی ناک تھی تو لئے ہی کیوں تھے۔ کہنے لگی "میاں خفا نہ ہو ایسا ہو ہی جاتا ہے" میں دل ہی دل میں اس کو برا بھلا کہتا گھر آیا۔ تم کو تعجب ہوگا۔ دوسرے دن دیکھ

ہوں تو پیسے اڑ گھڑی ہے۔ میں نے ہر چند منع کیا مگر وہ کیا ماننے والی تھی۔ مجھ کو اس کی ہمت پر تعجب ہوا اور میں نے اس کی نیت پر مرحبا کہی۔ بے ساختہ میرے دل نے صدا دی کہ ہم جیسے امیروں سے جو چند روپوں پہ ایمان اور مذہب بیچنے کو تیار ہیں۔ یہ فقیرنی بہت بہتر ہے کہ افلاس میں بھی اپنے اصول پر قائم ہے۔ میں اس کی خاطر اس سے زیادہ اور کیا کرتا کہ اس کی بہت کچھ تعریف کی۔ مگر اس کو تعریف کی پروا نہ تھی۔ ہنستی ہوئی چلی گئی۔ میں نے پوچھا۔ بچہ کس طرح ہے۔ کہنے لگی اللہ کا شکر ہے۔ وہ بھی اچھا ہے اور میں بھی اچھی ہوں۔

اس واقعہ کو کئی روز گزر گئے مگر اس کی یاد میرے دل میں ہر وقت تازہ تھی اور میں سوچا کرتا تھا کہ اگر ہندوستان میں اس قدر گرانی نہ ہوتی تو اجرت اور مزدوری اس قدر کافی ہوتی کہ یہاں کوئی بھی غریب نہ ہوتا۔ میں تمہارے واسطے ایک بزاز کی دکان پر ململ لینے گیا۔ جا کر بیٹھا ہی تھا کہ اتنے میں ایک بڑے میاں آئے۔ بزاز نے ان کی خاطر و مدارات کی اور کہنے لگا "آپ تو عید کا چاند ہو گئے کہ ہم بچوں کو کبھی دکھائی ہی نہیں دیتے۔" بڑے میاں ہنسے اور کہا "لالہ کیا بتاؤں زندگی کے دن پورے کر رہا ہوں جینے کا تو مزہ رہا نہیں۔ یوں کہو پڑے بیٹھے ہیں۔ بڑے لالہ زندہ تھے تو جمعہ کے جمعہ دو گھنٹے اکھاڑہ میں بیٹھک ہو جاتی تھی۔ ایسے ایسے مزے لوٹے ہیں کہ نیت سیر پڑی ہے اب گھر سے نکلنے کو جی ہی نہیں چاہتا۔ روٹیوں ہی کے لالے پڑ گئے۔ ایک دفعہ کارخانہ دار کے یہاں کوئی آدمی برما سے آئے تھے۔ انھوں نے کہا تھا وہاں آٹا چھ سیر کا ہے تو میں چونک پڑا تھا کہ ہائیں آٹا روپے کا چھ سیر! تو صاحب یہ خبر نہ تھی کہ ہم کو پانچ سیر بھی نصیب نہ ہوگا۔ ایسا وقت خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ زندگی مصیبت ہو گئی۔ غضب خدا کا آلو جن کو کوئی ٹکے سیر بھی نہ پوچھتا تھا پانچ آنہ اور چھ آنہ۔ دھوبیوں کا وہ زور ہے کہ خدا

یاد آتا ہے اور ایک دھوبیوں کا کیا جس کو دیکھو رستم بنا ہوا ہے۔ نائی کو گھر پر بلاؤ تو چار آنہ مانگتا ہے۔ بھنگن ہے وہ افلاطون خاں کی جنی بنی ہوئی ہے۔ پھر ساہوکار تو جو کریں وہ کم۔ صبح سے شام تک پاؤلی دھیلی کماتے تھے۔ بسر آتی تھی، پاؤں جاتی تھی۔ اچھے سے اچھا کھانا اور بہتر سے بہتر پہننا۔ نہ کسی کا لینا، نہ دینا۔ اب روپیہ سوا روپیہ کی مزدوری کرو اپنا پیٹ بھرتا ہے نہ بال بچوں کا۔ اب فرمایئے چوری کریں۔ ڈاکہ ڈالیں۔ جیب کتریں۔ کیا کریں؟ خدا کی قدرت ہے روپے کا آٹا کپڑے میں بھر کر لے آؤ۔ پوٹلی میں رکھ لو۔ یہ وقت بھلا زندہ رہنے کا ہے! لو، تو خدا جو کچھ دکھائے دیکھنا ہی پڑے گا۔ مگر سچ پوچھو تو اس سے دلپسند دن بھی نہ دیکھے ہوں گے ہم نے اپنی آنکھوں سے شہری آبادی کے جو رنگ دیکھ لئے۔ اب دل ان کو تڑپتا ہے اور کلیجہ لوٹتا ہے کیا خبر تھی کہ ہم کو اس وقت بھی زندہ رہنا پڑے گا اور یہ سوانگ بھی دیکھیں گے۔ میں کوئی تیرہ برس کا ہوں گا خاصے ہوش کی بات ہے۔ رحمٰن کے کوچہ میں میرا گھر تھا اور پہلے نکڑ پر جہاں اب میر احمد کی دکان ہے بھٹیارہ رہتا تھا۔ کلّو اس کا نام تھا۔ برابر میں نانبائی بیٹھتا تھا۔ ہم تڑکے ہی کام پر جاتے تھے ادھر جاکر باڑواڑ لگائی۔ ادھر لمڈے کو دو پیسے دیے کہ بھٹی جا کر پراٹھا پکوا لا۔ کوئی تیس چالیس کاریگر تھے۔ دو دو پیسے سب کے ملا کے جاتے تھے۔ روپیہ سوا روپیہ کے ٹکے ہو گئے۔ ماکہ کے ڈیڑھ گھنٹہ لگتا ہوگا لمڈا گرم پراٹھے اور شوروا لے آتا تھا۔ اب اس کا حساب سُنو تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ایک پیسہ کا آٹا ڈھائی پاؤ۔ سوچو تو سہی دھیلے کا گھی آدھی چھٹانک دمڑی کا شوروا۔ آدھی پکوائی۔ آدھی کا پان۔ اب مجال نہیں کہ ایک پراٹھا آدمی پورا کھا لے جو بچ گیا وہ محلے کے غریب غربا کو۔ سقّہ بھنگی کو۔ پیٹ بھرا۔ کام پر بیٹھے تو دو بجے ذرا بھوک لگی۔ لیجیے کا چھن آ گئی۔ دمڑی کے کچالو بنوا لئے۔ آج چار پیسے کے بھی

لتنے نہیں آئیں گے۔ انار پیسے کے آٹھ آٹھ، امرود پیسے کے دو سیر۔ باغی بیر جو آج پانچ
چھ آنے سیر آتے ہیں ہم نے سدا پیسہ سیر کھائے۔ وہ دن تھے کہ جینے کا مزہ تھا۔ شام
کو مزدوری ملی۔ رستہ میں پیسے کی ریوڑیاں بچوں کے لئے لیں۔ کبھی پیسے کی گنڈیریاں۔
پیسہ کے سنگھاڑے۔ غرض سیر دو سیر سودا لے لیا۔ لڑکے بالے دروازے پر کھڑے راہ
دیکھ رہے ہیں۔ صورت دیکھتے ہی نہال نہال ہو گئے۔ لپٹ گئے۔ گودی پھیلا دی۔
لیجئے صاحب ان کا سودا دے دیا۔ خوش ہو گئے۔ آج بال بچوں کو لے کر دیں تو کیا؟
تم ہندو ہو سچ ماننا پیسے کے سیر بھر تک آم ایسے کھائے کہ آدمی انگلیاں چاٹتا رہے۔
پرسوں اترسوں کا ذکر ہے نواسی نے پٹیالہ سے آم منگائے تھے۔ اس کا میاں چھاپہ خانے
میں داروغہ ہے۔ روپیہ کے چار لنگڑے اور اس کا باپ ہی جا کر لایا۔ میرے تو تن
کو آگ لگ گئی کہ حکیم نے تھوڑی بتائے ہیں۔ غضب خدا کا آم روپیہ کے چار! یہ
ہمارے عمل کا پھل ہے۔ اس سے بڑی مصیبت کیا ہوگی۔ سمت ۱۹۰۰ کا کال پڑا اور
آدمیوں نے جانور تک کاٹ کھائے۔ وہ ہمارے سامنے کا زمانہ تھا اور ہم نے خود اس میں
مصیبتیں بھگتی ہیں۔ لیکن بارہ سیر کا آٹا تھا۔ یہ افراتفری نہ تھی کہ الٰہی توبہ۔ سونا دس
روپیہ تولہ بک گیا مگر یہ مصیبت جو اس وقت ہے پہلے کبھی نہ دیکھی۔ ہم تو نہ معلوم
کس مصیبت کو زندہ رہ گئے ہیں اور ابھی کیا کیا پوچھنا ہے۔ کیسا اندھیر ہے۔ مٹی
کا بورا تین آنے کو! ہم نے ہمیشہ ڈیڑھ دو پیسے کا لیا۔ آج کوئی چھٹا دن ہو گا چارپائی
بنوائی تھی۔ کھٹ بُنا بولا۔ لڑکی کہنے لگی جلدی سے بلا لو۔ لڑکے نے آواز دی کھٹ
بُنا آگیا۔ چارپائی کیا چھوٹی سی کھٹولی تھی۔ میں نے پوچھا، بھائی یہ بان پڑا ہوا ہے
کیا لوگے؟ اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا صاحب کہنے کو تو دھیلی بارہ آنے کہہ دوں مگر
چھ آنے سے تو پائی کم نہ لوں گا۔ مجھے غصہ تو بہت آیا اور جی میں آیا کہ ایک دو ہتھڑ
ایسا رسید کروں کہ عمر بھر یاد رکھے۔ بھلا ہم نے یہ موقعے کب دیکھے ہیں اور سو برس

کی عمر ہونے آئی کبھی زمین پہ تو سوئے نہیں چارپائیوں ہی پہ لیٹے ہیں۔ کھٹولی کی مزدوری
دو پیسے۔ بڑی چارپائی کا نبر ہی ایک آنہ۔ ایسا ہی جگا دھری پلنگ ہوا اور رہی۔ یہ
بھی کوئی غضب ہے کہ کھٹولے کے چھ آنے! میں نے اتنا تو کہہ دیا کہ بھائی آنے کیوں کہہ
دیئے روپیہ کہتے۔ ایک وہ وقت تھا کہ یہ لوگ سامنے دیکھ کر بات نہیں کر سکتے تھے ایک
آج کا دن ہے کہ سینہ پر چڑھے آتے ہیں۔ اس نے آری بسولہ کندھے پہ رکھا اور کہنے
لگا۔ صاحب، بگڑتے کیوں ہو۔ میں نے کہا۔ تو بگڑنے کی بات ہی کر رہا ہے۔ کھٹولی کے
چھ آنے مانگ رہا ہے۔ دو نہیں، چار پیسے سہی۔ کہنے لگا وہ دن گئے۔ جب دس سیر کا آٹا
بک رہا تھا۔ جب دو پیسے لیتے تھے۔ اب تو پانچ سیر کا بک رہا ہے۔ ایک آنے میں
تو شام کو بال بچے بھوکے ہی مر رہیں۔ میں نے بھی دل میں سوچا بات ٹھکانے کی کہہ
رہا ہے۔ چپکا ہو گیا۔

تو لالہ کیا پوچھتے ہو۔ کیا کہیں اور کس سے کہیں؟ نہ معلوم کیسی اور کتنی ہے یہ
زندگی نہیں ہے اس کو تو بے غیرتی کہتے ہیں کہ روٹی ہے تو کپڑا نہیں اور کپڑا ہے تو
روٹی نہیں۔ اب تم سے کچھ پردہ نہیں۔ یہ دو کرتے بنوائے تھے تین روپے لگ گئے
بھلا غور تو کرو۔ ڈیڑھ دو آنے گز کا کپڑا ہمیشہ لگا۔ ململ بارہ آنہ اور لٹھا چودہ
آنہ!! لائیں کہاں سے اور بدن کو ڈھانکیں کیوں کر؟ اور پھر اس میں دوکاندار
بیچاروں کا کیا قصور۔ وہ کوئی اپنے گھر میں تو بناتے ہی نہیں۔ جو بھاؤ لائے وہی
بھاؤ بیچا۔ جب خود ان ہی کو بارہ آنے لینا پڑے گا تو وہ چودہ آنہ نہ بیچیں گے
تو کھائیں گے کیا؟ اب اسی دوکان کا کرایہ سو روپے سے کیا کم ہوگا۔ لو اور لو، یہ
تمھاری ہی برابر والی چار دوکانیں جن کا کرایہ اب ڈھائی سو روپیہ ہے، ہمارے
سامنے مرزا مغل کے پاس تمباکو کے کام میں پندرہ روپیہ کو تھیں اور پھر سب یہی
سمجھ رہے تھے کہ کرایہ زیادہ ہے۔ اب ڈھائی سو پر کوئی اُف بھی نہیں کرتا کہ کیا

ہو رہا ہے"۔

بیگم بڑے میاں کی اس تقریر کو سننے کے بعد کیا ہمارا فرض نہیں کہ ہم اس تکلیف کی اصلی وجہ پر غور کریں۔ ہاں ایک نہایت ضروری بحث رہ جاتی ہے۔ میں یہاں سے تمہاری گوری چچی کے یہاں گیا تھا۔ انھوں نے مجھے اندر تو بلا لیا مگر وہ زمین میں گڑی جاتی تھیں۔ اُن کے کپڑے نہایت کثیف تھے اور باوجود سخت سردی ہونے کے کسی بچے کے بدن پر روئی یا بنات کا تار تک نہ تھا۔ میں نے ان کو حسب معمول دس روپے دیئے۔ وہ کہنے لگیں۔ بھائی اب کے تو دو مہینے دیئے جاؤ کہ میں کچھ جڑاول بنا لوں تین روپے آرہے ہیں۔ کمانے والا تو یہ سمجھتا ہے کہ میں تین روپے مٹھی بھر ماں کے ہاتھ میں دے رہا ہوں۔ میں اٹھانے والی چور ہوں۔ ایک روپے کا تو روکھا آٹا دونوں وقتوں میں چاہیئے۔ تباؤ کیا کروں۔ ایک پیسہ نہیں بچتا کہ کسی کا کپڑا تک بنا لوں کئی دفعہ سوچا کہ لاؤ دو وقت نہیں ایک وقت کھائیں مگر جڑاول تو بن جائے۔ دو ایک دن صاف گزار بھی دیئے۔ مگر ان بچوں کی جان جوتی۔ گھر سر پہ اٹھا لیا۔ اب مجبوراً یہ کیا ہے کہ گھی کھانا چھوڑ دیا ہے۔ آخر پیٹ بھرنا ہے۔ کسی نہ کسی طرح بھر ہی گئے۔ سوچ رہی تھی کہ تم آؤ تو کہوں کہ اب کے بیس روپے دے دو تو خیر اور کچھ نہیں تو ایک ایک رضائی ہی سب کے پاس ہو جائے۔ مگر ایک رضائی بھی مری گری ہو تو پانچ روپے میں بنتی ہے۔ میرا تو کچھ نہیں گھر کی بیٹھنے والی ہوں۔ ان بچوں کا بھی خیر کہ دھوپ نکل آتی ہے۔ سب سے بڑھ کر لڑکے کا فکر ہے کہ اس سردی میں سوں سوں کرتا کارخانے جاتا ہے اور روئی کی کمری تک گلے میں نصیب نہیں! اس کا ڈر ہے کہ خدانخواستہ کہیں ہوا نہ لگ جائے"۔

بیگم صاحب اب آپ یہ فرمایئے کہ ہندوستان پر ایسی مصیبت کبھی اس سے پہلے نازل ہوئی؟ انسانیت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اگر ہم دونوں وقت پیٹ بھر کر

کھا لیتے ہیں اور اچھا کپڑا پہن لیتے ہیں یا عیش و عشرت میں گزرہوتی ہے تو ان بدنصیب ہستیوں کو فراموش کر دیں جن کو دو دو تین تین وقت روٹی میسر نہیں آتی۔ جن کے پاس تن ڈھانکنے کو کپڑا تک میسر نہیں۔ ذرا نظر اونچی کرو اور اپنے پڑوس پر ہی غور کرو۔ آگے بڑھو عزیزوں پر نظر ڈالو اور آگے چلو۔ خدا کی مخلوق کو دیکھو۔ تم کو دو چار نہیں دس بیس نہیں سینکڑوں ہزاروں انسان مرد عورتیں ایسے ملیں گے جو ایک ایک پیسے کو محتاج ہیں۔ جب ہم پہاڑ گئے تو تم نے اس عورت کو دیکھا تھا جو اپنے تینوں بچوں کو درخت کے نیچے لئے بیٹھی بھیک مانگ رہی تھی۔ اس قسم کی حالت قریب قریب تمام ملک کی ہے۔ جو خوش حال ہیں ان کو بھی ظاہر میں خوش حال سمجھ لو۔ دل ان کے بھی رو رہے ہیں۔ میں تم کو کس کس کی مثال دوں۔ تم اپنی آنکھ سے شب و روز اس قسم کے واقعات دیکھ رہی ہو۔

کیا تم کو یاد نہ ہوگا والدہ مرحومہ اکثر کہا کرتی تھیں کہ ملازموں کی تنخواہ تین چار روپیہ تھی۔ اس تین چار روپے میں وہ سب کچھ کرتے تھے۔ رہتے سہتے بھی تھے کھاتے پیتے بھی تھے۔ شادی بیاہ بھی کرتے تھے اور مکان دوکانیں بھی لیتے تھے آخر وہ کیا وقت تھا اور اب کیا وقت ہے۔ آج دو تین کی بجائے دو تین سو کی نوکریاں ہیں۔ چار پانچ سو کی آمدنیاں ہیں۔ مگر جہاں دیکھو خاک اُڑ رہی ہے۔ کوئی خوش نہیں۔ ان حالات پر نظر ڈالنا ہر انسان کا فرض ہے تاکہ وہ معلوم کرے کہ ملک پر جو مصیبت نازل ہوئی اس کے اسباب کیا ہیں اور اُن کا دفعیہ کس طرح ممکن ہے۔

اس کی وجہ سب سے بڑی میں تم کو بتاتا ہوں۔ جس قدر غلّہ ہندوستان میں پیدا ہوتا تھا وہ ہندوستان کی ضرورت سے زیادہ تھا۔ غلّہ تھا اور کھانے والا نہ تھا۔ لاکھوں من سڑ جاتا اور خراب ہوکر پھکتا۔ اب ہندوستان کا غلّہ باہر جانے لگا اور ہندوستان کے واسطے جو کچھ رہا وہ ناکافی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ بجائے من بھر کے

پا پنج سیر رہ گیا۔ کیوں کہ جب کم رہا تو آپ سے آپ اس کے دام زیادہ ہوں گے۔
کپڑا! لو جو لوگ گاڑھا اور کھدّر پہنتے تھے اس میں خوش تھے اب یہی روئی اور سوت
یہاں سے باہر گیا اور وہاں سے دوسری صورت اختیار کر کے آیا تو ہم ریجھ گئے اور
اپنی ہی چیز کو چوگنے پنج گنے داموں پر خرید کر اس کو قبول کرتے ہیں۔ اگر آج ہم اپنی
چیزوں کا استعمال شروع کر دیں تو یہ مصیبت خاص حد تک کم ہو جائے۔

میں نے اس مسئلہ پر مدّتوں غور کیا اور جب سے یہ دو تین واقعات میری آنکھ
کے سامنے آئے ہیں۔ رات دن غور کر رہا ہوں۔ میری رائے تو یہی ہے کہ ہندستان
کو بیدار ہونے کی ضرورت ہے اور جب تک وہ ان معاملات کی طرف توجہ نہ کریگا
مشکل ہے کہ ان تکالیف و مصائب سے رہائی پائے۔

مغیرہ :- میں نے اب تک ان معاملات پر غور نہیں کیا۔

اویس :- اب غور کرنے کی ضرورت سمجھتی ہو؟

مغیرہ :- ہاں تو تم نے جو کیفیت بیان کی اس کا تو واقعی میرے دل پر بہت اثر
ہوا اور میں کیا ہر ہندوستانی اس عذاب کے دور کرنے کی کوشش کریگا۔
اور کوشش نہ کر سکے گا تو ضرور غور کرے گا کہ کیا کر سکتا ہے۔

(۸)

یہ میرے سرکاری کاغذات ہیں اور یہ قبالہ جو برباد ہوا ہے؟
اس پر ایک قطرہ بھی سیاہی کا گر جاتا تو دو کوڑی کا تھا نہ کہ تمام قبالہ کا قبالہ
سیاہی میں غارت ہو گیا! اگر میرا دس ہزار کا نقصان ہو جاتا تو اس کا مجھ کو اتنا
رنج نہ ہوتا جتنا اس کا ہے۔ پرسوں مقدمہ ہے جو کاغذات مجھے پیش کرنے تھے
وہ بھی خراب ہو گئے۔ اب بتاؤ کیا کروں؟

مجھے اُمید ہے کہ تم تمام عمر کبھی جھوٹ نہ بولوگی۔ کیونکہ جھوٹ دنیا کا بدترین عیب ہے اور صرف اس وقت جائز ہے جب جھوٹ بولنے سے کسی نیک آدمی کی جان بچتی ہو۔

قمر :۔ میں انشا اللہ کبھی جھوٹ نہ بولوں گی۔ عہد کر چکی ہوں کہ چاہے جان ہی نکل جائے مگر جھوٹی بات زبان سے نہ نکلے گی۔

اویس :۔ میں تم کو جھوٹ کی برائیاں بتا چکا ہوں اور اب اس پر زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ اور یاد رکھو کہ سچائی کا ہمیشہ بول بالا ہے۔ اور جھوٹے پر خدا کی لعنت۔ کیوں بیٹی شمس تم کیا کہتی ہو؟

شمس :۔ ابا جان میں تو کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔

مغیرہ :۔ ہاں بیٹی درست ہے!

(۹)

"تم کو فرصت ہے کہ آج باتیں کرسکو۔ میں تو اسی واسطے جلدی سے چلا آیا۔ حالانکہ تھوڑے کام ابھی باقی رہ گئے"

مغیرہ :۔ تم دیکھ لو جتنی فرصت ہے۔

اویس :۔ مجھے تو مصروف دکھائی دے رہی ہو۔

مغیرہ :۔ پھر میں کیا کروں؟

اویس :۔ ان کاموں کو چھوڑ دو۔

مغیرہ :۔ یہ کس طرح ممکن ہے۔

اویس :۔ کیا نقصان ہے؟

مغیرہ :۔ رات کو بھوکے رہوگے۔

"قمر تم کو بتانا چاہیئے یہ قصور کس کا ہے قطعی شمس کی کارستانی ہے"

قمر:- ابا جان یہ قصور مجھ سے سرزد ہوا ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اماں جان کے فرمانے سے ایک پنسل لینے میز پر گئی تھی - دوات کو میرا ہاتھ لگا اور وہ گر گئی چونکہ یہ کاغذات پھیلے ہوئے تھے اس سے خراب ہو گئے۔

اویس:- یہ تو ایسا نقصان ہے جس کی تلافی عمر بھر میں نہیں کر سکتا - ہزاروں روپیہ کا مقدمہ ہاتھ سے گیا - تم نے تو اتنی سی بات کہہ دی کہ قصور مجھ سے سرزد ہوا ہے -

قمر:- بے شک ہوا ہوگا - وقت کی بات ہے کہ دوات لڑھک گئی - دونوں باتیں اُلٹی ہوئیں - ادھر تو کاغذ پھیلے ہوئے تھے - اُدھر دوات ٹیڑھی رکھی تھی -

اویس:- دوات تو میں نے خود ٹیڑھی کر دی تھی کہ ٹوٹی ہوئی ہے - کاغذات بھی میں نے کھولے تھے مگر مجھے خبر نہ تھی کہ یہ حشر ہوگا تھوڑی سی غفلت تو میری بھی ضرور ہے لیکن تمھاری لاپروائی بھی قابل معافی نہیں -

قمر:- آپ جو تجویز فرمائیں -

اویس:- میں اس وقت تو تمھاری سچائی کی تعریف کرتا ہوں - شاباش میں تم سے بہت خوش ہوا کہ تم نے غلطی کا اقرار کیا اور جھوٹ نہ بولیں - ہر لڑکی کو مناسب ہے کہ وہ اس طرح سچ بولے اور یاد رکھے کہ دنیا میں جھوٹ بولنا بہت بڑا عیب شمار کیا جاتا ہے - جھوٹ دو چار روز یا مہینہ دو مہینہ بعد کھل جاتا ہے لیکن جھوٹے کی وقعت نہیں رہتی -

قمر:- میں نے تو جس وقت دوات گری تھی اسی وقت اماں جان کو اطلاع دیدی تھی کہ مجھ سے غلطی ہو گئی - آپ ابا جان کو بلا کر آگاہ کر دیجئے -

اویس:- میں تمھاری اس انسانیت سے اس قدر خوش ہوا کہ قصور معاف کرتا ہوں -

اویس:۔ ماما پکار رہی ہیں۔

مغیرہ:۔ میری نگرانی ضروری ہے۔

اویس:۔ آج نہ سہی۔

مغیرہ:۔ برباد کر دیں گی۔

اویس:۔ بلا سے۔

مغیرہ:۔ بُرا ہوگا تو شکایت نہ کرنا۔

اویس:۔ ہرگز نہیں

مغیرہ:۔ بچّہ کو سلا دوں؟

اویس:۔ ہاں ضرور۔

مغیرہ:۔ جلدی نہیں سونے کا۔

اویس:۔ کیوں؟

مغیرہ:۔ کچھ کھا کر سوئے گا۔

اویس:۔ تو تم کو بات ہی کرنی نہیں ہے۔

مغیرہ:۔ اس کو میں گود میں لے لیتی ہوں۔ تم گفتگو شروع کرو۔

اویس:۔ میں کیا شروع کروں؟

مغیرہ:۔ پھر میں کیا کروں؟

اویس:۔ تم نے اس گفتگو پر غور کیا؟

مغیرہ:۔ ہاں کیا۔

اویس:۔ کس نتیجہ پر پہنچیں؟

مغیرہ:۔ تمھاری رائے سے اتفاق ہے ایک حد تک۔

اویس:۔ اور کُلّی کیوں نہیں؟

مغیرہ:- طریقوں سے اختلاف ہے۔

ادیس:- وہ کیوں کر؟

مغیرہ:- ترکِ موالات سے اختلاف ہے۔

ادیس:- پھر کامیابی کیوں کر ہو؟

مغیرہ:- غلّہ ہی سے بحث ہے نا۔

ادیس:- سب سے پہلے اس کو لو۔

مغیرہ:- اس کا انسداد ممکن ہے۔

ادیس:- وہ کیوں کر؟

مغیرہ:- غلّہ باہر نہ جائے۔

ادیس:- کس طرح؟

مغیرہ:- باہر جانے سے روکو۔

ادیس:- کس تدبیر سے؟

مغیرہ:- ملک خود خریدے۔

ادیس:- خوب!

مغیرہ:- خوب کیا؟

ادیس:- یا تو تم خود نہیں سمجھتیں یا مجھ کو بے وقوف سمجھتی ہو۔

مغیرہ:- دونوں باتیں نہیں ہیں۔

ادیس:- پھر کیا ہے؟

مغیرہ:- بحث تو یہ ہے کہ غلّہ باہر جاتا ہے۔ یہ ہی نہ؟

ادیس:- ہاں۔

مغیرہ:- باہر نہ جانے دو۔

اویس:- وہی تو کہتا ہوں کس طرح؟

مغیرہ:- خود خریدو۔

اویس:- سبحان اللہ۔

مغیرہ:- جواب دو یا سبحان اللہ اور خوب سے کام ہے۔

اویس:- غلہ جب باہر جائے گا تو گراں ہوگا۔ یہاں رہے گا تو سستا ہوگا۔ یہ سمجھی ہو یا کچھ اور؟

مغیرہ:- ہاں یہ ہی سمجھی ہوں۔

اویس:- جب باہر گاہک موجود ہوں گے اور وہ اسی نرخ پر قیمت لگائیں گے تو یہاں والے لے کر کیا کریں گے۔ ایک تو اس فائدہ کے واسطے گراں ہوگا اگر اس طرح مقابلے میں خریدا گیا تو یہ بھی چھ سات سیر کا پڑے گا اور چار یا پانچ سیر کا بکے گا۔

مغیرہ:- ہاں یہ تو سچ ہے۔

اویس:- پھر تم نے کیا بات نکالی؟

مغیرہ:- ترکِ موالات کو اس سے تعلق نہیں۔

اویس:- کیوں؟

مغیرہ:- کیونکہ گورنمنٹ ہر جائز کام میں مدد دینے کو تیار رہے۔

اویس:- ایسا نہیں ہوا۔

مغیرہ:- ہوا ہے اور ہوتا ہے۔

(۱۰)

"شکایت کرنا میری عادت میں داخل نہیں۔ اس لئے میں اس کے متعلق کچھ

عرض کرنا نہیں چاہتی۔ بہتر ہوگا کہ آپ اماں جان سے دریافت کرلیں۔

اویس:۔ تم کو بتانے میں کیا تامل ہے؟

قمر:۔ اس لئے کہ یہ ایک قسم کی شکایت ہے۔ جو میں پسند نہیں کرتی۔

اویس:۔ اچھا بیگم صاحب تم بتاؤ؟

مغیرہ:۔ میں کیا بتاؤں؟

اویس:۔ آخر کچھ تو بتاؤ یہ کیا لغویت ہے کہ اس کمبخت نے فرعونیت پر کمر باندھ رکھی ہے۔ آج اسکی وجہ سے ماما بیٹھ گئی۔ کل کوئی اور گل کھلے گا۔

مغیرہ:۔ میں تو سمجھا چکی۔ اس کمبخت کی سمجھ ہی میں نہیں آتا۔

اویس:۔ آخر اس سے پوچھو تو سہی کہ اس بے چاری بڑھیا نے اس کا کیا بگاڑا تھا ماما ہے لونڈی نہیں۔ ہاتھ نیچے ہیں ذات نہیں۔

مغیرہ:۔ میں سب کچھ پوچھ چکی، کہہ چکی اور سمجھا چکی۔

اویس:۔ اب تو تم کو مجھ سے اتفاق ہے کہ اگر تم اس کی تربیت پر توجہ کرتیں تو یہ ایسی خودسر نہ اٹھتی۔

مغیرہ:۔ تم ہر بات میں مجھے نہ لپیٹا کرو۔

اویس:۔ کیوں شمس ماما پر ہاتھ اٹھانا کس نے بتایا ہے کیا وہ تیری نانی دادی کے برابر عورت تجھ کو گودوں میں کھلایا۔ اس کی سزاوار ہے کہ تو اس کو جوتی کھینچ کر مارے۔

مغیرہ:۔ یہ تو بڑی ہی جھوٹ کہتی ہیں۔ جوتی ماری تو نہیں پھینکی تھی۔

اویس:۔ تمہاری اسی شہ نے اس کا ناس کیا۔

مغیرہ:۔ میرے سامنے تو وہ آکر کہے۔

اویس:۔ میں ابھی پوچھ لیتا ہوں۔ "کیوں بیٹی تم بتاؤ۔ بتاؤ کیا معاملہ ہوا؟"

قمر:۔ میں کیا عرض کروں، اصل واقعہ تو ختم ہوگیا۔ اب بحث آپ کی اور اماں جان کی ہے۔ ظاہر ہے کہ میرا بیان ایک کے خلاف ہوگا۔

اویس:۔ مگر سچ بات کہو۔

قمر:۔ اگر آپ مجھ سے بغیر دریافت کئے معاملہ ختم کر دیں تو نقصان ہے؟

اویس:۔ مگر تمھاری اماں جو مجھ کو جھٹلاتی ہیں۔

قمر:۔ اس کو تو آپ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔

اویس:۔ دونوں میں سے ایک قطعی جھوٹا ہے۔

قمر:۔ ... ...

اویس:۔ بڑھیا روتی ہوئی گئی۔ اور وہ مجھ سے کہتی ہی نہیں۔ نہ اس کی یہ ہمّت تھی نہ وہ میرے پاس گئی۔ میں بڑے کمرے سے باہر نکل رہا تھا۔ وہ جا رہی تھی اس کو روتا دیکھ کر میں نے پاس بلایا۔ اسے آنے میں تامل تھا۔ میں نے مرزا سے زبردستی بلوایا۔

مغیرہ:۔ تم نے کچھ ہی کیا مگر اس کو لڑکی کی شکایت کرنی مناسب نہ تھی۔ ایسا ہی تھا تو مجھ سے کہتی۔ مردوں سے کیا واسطہ۔ وہ جانتی ہوگی کہ اس دن کی طرح سے ایک دفعہ اور پٹے۔

اویس:۔ تم مجھ کو تو ختم کرنے دو۔ یا اپنی ٹانگ اڑا رہی ہو۔

مغیرہ:۔ کیوں میں سب جانتی ہوں۔

اویس:۔ اس میں جاننے اور نہ جاننے کا سوال نہیں ہے۔

مغیرہ:۔ اس کو تم سے کہنا مناسب نہ تھا۔ مجھ سے کہتی۔

اویس:۔ تمھارا یہ الزام ابھی طے ہو جاتا ہے۔

مغیرہ:۔ فرمایئے؟

اویس :۔ اوّل تو وہ میرے پاس آتی ہی نہ تھی۔ میں نے زبردستی اُس کو بلوایا۔ وہ آئی تو بالکل خاموش تھی۔ البتہ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے صنوبر اس کے ساتھ تھی۔ میں نے ہر چند بڑی بی سے پوچھا مگر انھوں نے جواب نہ دیا۔ جب میں نے زیادہ اصرار کیا تو صنوبر نے کہا کہ منجھلی بیگم نے جوتی ماری۔

مغیرہ :۔ ہاں تو یہ صنوبر کی کارستانی ہوگی۔ اس مُردار کو تم دیکھنا اس بہتان پر کیسا ٹھیک بناتی ہوں۔

اویس :۔ پہلے تم یہ تو فیصلہ کرو کہ قصور کس کا ہے۔ اُس کے بعد سزا دینا۔ یہاں آؤ شمس، تم خود ہی بتاؤ کہ تم نے بڑھیا کو جوتی ماری؟

شمس :۔ کیسی جوتی۔ میں نے تو ان سے یہ کہا تھا۔ پہلے میرے چاول گرم کردو۔ انھوں نے کہا مجھے فرصت نہیں ہے۔ میں نے کہا جانے دو۔ یہاں سے تو وہ ہنسی خوشی گئی ہیں۔

اویس :۔ لیجئے اور فرمایئے۔

مغیرہ :۔ نہیں ہنسی خوشی تو نہیں گئی۔ گئی تو روتی ہی ہوئی۔ مگر جوتی دوتی نہیں ماری۔

اویس :۔ تم یہ نہیں دیکھتیں کہ یہ کیسا صریح جھوٹ بولتی ہے۔

مغیرہ :۔ دیکھ کیوں نہیں رہی۔

اویس :۔ لاحول ولا قوۃ۔

مغیرہ :۔ کھانا لاؤں۔

اویس :۔ کھانا کیا کھاؤں مطلق بھوک نہیں۔

مغیرہ :۔ بس معاملہ ختم کرو۔

اویس :۔ تم نے تو کہہ دیا ختم کرو۔ تمھاری لاپروائی نے یہاں تک نوبت پہنچا دی۔

کاش تم اس ذمہ داری کو سمجھتیں اور تم کو معلوم ہو جاتا کہ یہ عیب کیا کیا گُل کھلائیں گے۔

مغیرہ:۔ تم ہر بات میں مجھے کیوں لپیٹ لیتے ہو؟

اویس:۔ کیسی بچوں کی سی باتیں کرتی ہو۔ یاد رکھو شمس خود غارت ہوئی اور اس نے اپنے ساتھ تم کو اور مجھ کو دونوں کو غارت کیا۔

مغیرہ:۔ میری اب تک عقل کام نہیں کرتی کہ تم ایسا کیا مرض شمس میں دیکھ رہے ہو جو تم میں موجود نہیں۔ سوا اس کے کہ تم خاموش ہے اور شمس چالاک تو اس معاملہ میں یہ ضروری نہیں کہ تمھاری رائے صحیح ہو۔ زمانے کی رفتار کچھ اور ہے۔ یہ وہ وقت ہے کہ سیدھے سادھے آدمیوں کو کوئی پوچھتا نہیں ایماندار پڑے رو یا کرتے ہیں اور بے ایمان مزے اُڑاتے ہیں۔

اویس:۔ توبہ توبہ کیسی باتیں کر رہی ہو۔ یہی خیالات ہیں جن کی وجہ سے تم نے شمس کی تربیت پہ توجہ نہ کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود تعلیم کے صرف اس لیے کہ تربیت درست نہ ہو سکی۔ لڑکی کی طبیعت میں وہ بیج بو دیئے گئے۔ جن کے پھل یہی نہیں کہ اُس کو خود بھگتنے پڑیں گے بلکہ میں اور تم دونوں کھائیں گے اور اگر میرا اندیشہ غلط نہیں اور یقیناً غلط نہیں بلاشبہ نہیں تو عمر کے آخری حصے میں جب ہم کو موت کی تیاریاں کرنی ہوں گی۔ اس کی بدعنوانیاں ہمارا کلیجہ جلائیں گی اور وہ آخر وقت بھی اس کمبخت کے ہاتھوں ہمارا ایسا برباد ہوگا جس کے خیال سے میں اس وقت بھی لرز رہا ہوں۔ کیا یہ غفلت خالی جائے گی۔ کیا یہ بے پروائی بے سود نکلے گی۔ یہ وہ گناہ ہے جس کی پاداش یہاں بھی اور وہاں بھی دونوں جہان میں ہمارا منہ کالا کرے گی۔ یہاں بدنامی اور رسوائی۔ وہاں بربادی اور تباہی۔

مغیرہ :- میری رائے میں تم کو کچھ وہم بھی ہے اور چونکہ ہمیشہ سے طبیعت میں یہ عادت موجود ہے اس لئے میل کا بیل اور بات کا بتنگڑ بنایا کرتے ہو- اب تم کو جائداد و املاک کے جھگڑوں سے فرصت ہوئی تو یہ ٹنٹے تمھارے سامنے ہیں- ہر وقت ان کو ہی بیٹھے سوچا کرتے ہو-

اولیس :- خدا کرے کہ تمھارا خیال صحیح ہو اور میرا یہ وہم وہم ہی کی حد تک ختم ہو جائے- بہت ممکن ہے کہ جس وقت کا مجھے احتمال ہے اور جس کی بابت میں نے ابھی کہا کہ اس کا آنا یقینی ہے- اس وقت میں زندہ نہ ہوں مگر تم جس وقت اپنی آنکھ سے اس کے جگر خراش صدمے دیکھوگی- اس وقت تم کو معلوم ہو جائے گا کہ وہمی اولیس جو کچھ جھینک پیٹ کر دنیا سے رخصت ہوا اس میں کہاں تک خلوص تھا- میں وہمی نہیں ہوں- ایک ایک بات پر غور کر رہا ہوں- دنیا میں لاتعداد حشرات الارض پیدا ہوتے ہیں جن کی زندگی کی کائنات چند گھنٹے اور چند منٹ ہیں- وہ انسانی دنیا کے واسطے بظاہر مفید اور مضر نہ ہوں مگر قدرت کا کوئی فعل بے سود اور بےکار نہیں- اُن کی زندگی کے بھی کچھ نتایج دنیا میں موجود رہ جاتے ہیں- اگر انسان بھی اپنی زندگی کو اس کسوٹی پر رکھے اور دیکھے تو اسے معلوم ہو جائے کہ پچاس ساٹھ برس میں جو اُس کی زندگی کا اوسط ہے اُس نے کیا کیا کیا؟ کیا دیا- کیا رکھا اور کیا چھوڑا؟ کیا تم ایک شخص کی موت پر جو دنیا سے رخصت ہوتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت یہ کبھی خیال نہیں کرتیں کہ اس کی زندگی قوم اور ملک کے واسطے کیسی ثابت ہوئی؟ وہ کس حد تک ابنائے جنس کے واسطے مفید ثابت ہوا- اور اب یہ موت کس کس کو کتنا نقصان پہنچا رہی ہے؟ کیا ایک مرد کا کام یہی ہے کہ وہ بیوی بچوں کے واسطے جائز ناجائز کا امتیاز اٹھا کر زندگی کے اسباب

عیش تلاش کرے؟ اُن کو کھلاوے اور پہناوے۔ کیا ایک عورت صرف اس لئے دنیا میں پیدا کی گئی ہے کہ شوہر کو راضی رکھے اور بچوں کو دودھ پلاوے؟ کیا مرد کی تعریف یہ ہے کہ وہ چند لاکھ روپے ورثا کے واسطے چھوڑ دے؟ کیا عورت اس کو کہتے ہیں جو بچوں کی ماں ہو؟ اگر ایسا ہے تو اشرف اور ارذل مخلوق دونوں یکساں ہوں گی۔ اشرف کچھ اپنی فضیلت کا بھی لحاظ رکھے گا اور وہ اس پر غور بھی کریگا کہ اپنے بعد کچھ ایسی ہستیاں چھوڑتا ہے۔ جو ملک اور قوم کے لئے مفید ہوں گی اُن کے کارنامے انسانی دنیا کے واسطے سبق ہوں گے۔ کیا تم اس سے انکار کرتی ہو کہ تمھارے بڑے ماموں جان جس وقت اپنے لڑکے یعنی تمھارے ماموں زاد بھائی کی شہرت سے شاد شاد ہوتے ہوں گے۔ اس وقت اس دنیا کی کوئی دولت اس مسرت کی پروا نہیں کرسکتی۔ میں تو سب سے زیادہ خوش نصیب ان لوگوں کو خیال کرتا ہوں جو اولاد کی طرف سے مطمئن ہوں۔

مغیرہ: میں تمھاری اس رائے سے یقینی متفق ہوں اور میرا خیال بیشک یہ ہے کہ ہر ماں اور ہر باپ کا یہ فرض ہے کہ اپنی اولاد کے واسطے ضرور یہ انتہائی کوشش کرے کہ وہ دنیا میں عزت کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ لیکن بہت سی باتیں ہیں جن کی تکمیل انسان کے اپنے ہاتھ میں نہیں خدا کے ہاتھ میں ہے۔ یہ تو شاید میں نہیں کہہ سکتی کہ ہر ماں باپ مگر یہ ضرور کہوں گی کہ قریب قریب ہر ماں باپ کی خواہش یہی ہوتی ہے اور یہی وجہ ہوتی ہے کہ جس طرح والدین خود بھوکے رہ کر ان کا پیٹ بھرتے ہیں ننگے رہ کر ان کا تن ڈھانکتے ہیں۔ اسی طرح وہ تکلیف اُٹھا کر ان کی تعلیم ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کو پڑھاتے ہیں۔ لکھاتے ہیں یا جس قسم کے پیشہ ان کے یہاں رائج ہوتے ہیں۔ وہ سکھاتے ہیں۔ سکھواتے ہیں۔ سقّہ اپنی اولاد کو اپنا پیشہ سکھاتا ہے۔ بڑھئی لڑکوں کو بڑھئی بناتا ہے۔ اس سے تو یہ معلوم ہوگیا کہ اس

قسم کا جذبہ ہر شخص کے دل میں موجود ہے۔ بعض نہایت ذلیل لوگ بھنگی چمار وغیرہ علم کی دولت سے واقف ہو کر کوشش کرتے ہیں کہ ان کے بچے بھی عالم ہوں۔ وہ بھی اس طرف راغب ہوتے ہیں اور ان کے بچوں کو بھی تم نے پڑھتے دیکھا ہے۔ ان میں سے بعض کامیاب ہوتے ہیں۔ بعض ناکام۔ تم نے پرسوں بھی دیکھا ہوگا۔ عاقل کے ساتھ نوری نائی کارڈ کا کھیل رہا تھا۔ وہ بھی تیسری جماعت میں پڑھتا ہے۔ اب کون یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ کیسا نکلے گا لیکن اگر انسان کے ہاتھ میں ہوتی تو ساری دنیا عالم فاضل ہو جاتی۔ کیا میری خواہش نہیں تھی کہ میری بچیاں سارے جہان کی بچیوں سے بہتر اٹھیں؟ کیا شمس اور قمر دو علیحدہ ماؤں کی بچیاں ہیں؟ کیا یہ کسی اور پیٹ کی ہیں؟ دونوں آنکھیں برابر ہیں۔ جیسی یہ ویسی وہ۔ میں نے اپنی طرف سے دونوں بچیوں کو یکساں پرورش کرنے میں کبھی غفلت نہیں کی۔ آج تم نے یہ کہلوایا ہے تو میں صاف صاف کہتی ہوں۔ بہت ممکن ہے تم کو ناگوار ہو۔ میں نے اپنی غور و پرداخت میں کوئی فرق نہیں رکھا۔ جو اس کے واسطے کیا وہ اس کے۔ اگر تمہارا خیال صحیح ہے۔ اور قمر کی ابتدا خوش گوار انجام کی تمہید ہے۔ تو یہ انعام وہی ہے۔ جس سے شمس محروم ہے اور اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں آتی۔ بالخصوص اس وقت تک جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ میں نے قمر کی تعلیم میں جو تمہارے خیال کے موافق شمس سے بہتر ثابت ہوئی ہو گی کوئی خاص توجہ کی۔ چونکہ میں نے نہیں کی اس لئے یہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور واقعہ یہی ہے جس کے تم شاہد ہو۔ کہ میں نے دونوں کو ایک آنکھ سے دیکھا۔ اس لئے میں مطلق ذمہ دار نہیں ہوں اب اگر قمر لائق ہو گئی ہے تو میں مجبور ہوں اور یہ کہوں گی کہ تم نے جس دولت سے قمر کو مالا مال کیا اُس سے شمس کو محروم رکھا اور میرے معاملہ میں تمام ذمہ داری مجھ پر سے اُٹھ کر تمہارے سر آتی ہے۔ تم ایک کام اچھی طرح انجام دے سکتے تھے

چنانچہ دیا۔ لیکن ایک آنکھ میں خدا کا قہر۔ قمر کو تم نے سب کچھ بتایا اور شمس کو بتانا تو درکنار کبھی گھڑی آدھ گھڑی کو لے کر بھی نہ بیٹھے۔ کیا شمس کا شمار تمھاری اولاد میں نہیں ہے؟

اویس :- مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ آج اتنے عرصے بعد تم نے گفتگو کی اور اس مسئلہ پر بحث کے واسطے تیار ہو گئیں۔ تم نے جو کچھ کہا۔ میں نے ایک ایک حرف غور سے سُنا اور میں اس کا جواب یہ دوں گا۔

اولاد میں دو مختلف جز وہیں۔ لڑکے اور لڑکیاں۔ گو ایک اعتبار سے ان میں اختلاف نہ کرو۔ مگر ایک اعتبار سے وہ مختلف کہی جا سکتی ہے اور ان میں لڑکوں کی طرف باپ اور لڑکیوں کی طرف عام طور پہ ماں زیادہ متوجہ ہوتی ہے اور اس کی وجہ ہمارے ہاں صرف یہ ہے کہ باہر کی پرورش کی تعلیم جو لڑکوں کو دی جاتی ہے۔ عورتیں نا آشنا ہوتی ہیں اور وہ اچھی طرح نہیں سمجھ سکتیں۔ برخلاف اس کے لڑکیوں کے معاملات وہ بہت اچھی طرح سمجھ سکتی ہیں اور یہ کچھ ہمارے ہاں کا تمدن ہے کہ لڑکیوں کے مراحل مائیں ہی آسانی سے طے کر سکتی ہیں۔ اس اصول کو پیش نظر رکھ کر لڑکوں کے نقائص کا باپ اور لڑکیوں کے نقائص کی ماں زیادہ ذمہ دار سمجھی جا سکتی ہے۔ تاہم لڑکے سے ماں اور لڑکی سے باپ کا تعلق منقطع نہیں ہو گا۔ نسبتاً دونوں اس ذمہ داری میں سپے ہوئے ہیں۔ شمس و قمر دونوں بچوں کی ذمہ داری مجھ پر اور تم پر دونوں پر ہے۔ نہ تم اس سے علیحدہ ہو اور نہ میں۔ اب سوال صرف یہ ہوتا ہے کہ زیادہ بار تم پر ہے یا مجھ پر۔ تمھاری گفتگو سے میں اس نتیجہ پہ پہنچا کہ تم اس کا جوابدہ مجھے سمجھ رہی ہو۔ اور اس لئے بھی کہ میں نے قمر کی طرف زیادہ توجہ کی اور شمس کو نظر انداز کر دیا۔ اب تم کو اس کا جواب دیتا ہوں۔ خدا کرے تمھاری سمجھ میں آجائے۔

جیساکہ میں نے ابھی تم سے کہا ہے۔ لڑکیوں کے بہت سے فرائض ایسے ہیں جن سے باپ کو براہ راست تعلق ہو بھی نہیں سکتا۔ مثلاً ایک لڑکی اگر بخیہ اچھی طرح کرنا نہیں جانتی۔ بحیثیت مجموعی اسکی ناواقفیت کا الزام کھینچ تان کر باپ کی ذات پر آنا ممکن ہے لیکن حقیقتاً اس کی ذمہ داری ماں پر ہے۔ باپ بخیہ اور اس کی تفصیل سے قطعاً ناواقف ہے۔ اس لئے کہ وہ نہیں جانتا۔ شمس ہیں جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ یہ کمی موجود ہے۔ اُس نے اپنی بساط کے موافق کتابیں تو ضرور پڑھ لی ہیں۔ مگر اور کچھ نہیں سیکھا۔ بچیوں کو پڑھانا اور بتانا تمھارا کام تھا۔ اور میں تم سے شروع میں کہہ رہا تھا کہ علم بغیر تربیت کے درست نہیں۔ میں ابھی ابھی کہہ چکا ہوں کہ لڑکیوں کی پرورش زیادہ تر ماں سے متعلق ہے۔ جب میں نے یہ دیکھا کہ وہ توجہ جو تمھارے فرائض میں داخل ہے نہیں ہوتی اور تمھاری اس غفلت سے بچیوں کا ناس ہو گا تو میں نے کوشش کی کہ تمھارا ہاتھ بٹاؤں اور اپنے عزیز وقت کو جو تمھارے واسطے ان اسباب کو فراہم کرنے میں صرف ہوتا جس کا ہونا ضرورت زندگی کے واسطے لازمی ہے۔ اس اشد ضرورت پر بھی صرف کروں چنانچہ میں نے اس طرف توجہ کی اور جسقدر وقت نکال سکتا تھا نکالا اور جو کام تمھارا تھا اس کو میں نے کیا۔ ان حالات میں تم کو میرا احسان مند ہونا چاہیئے کہ میں نے تمھارے سیر بھر الزام کو آدھ سیر کر دیا لیکن اس سے زیادہ میرے امکان سے باہر تھا۔

(۱۱)

برسات کے موسم میں ایک روز ہلکا ہلکا ترشح ہو رہا تھا اور آسمان پر اُودی اُودی گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ صبح کے وقت جب اولیں ناشتہ سے فارغ ہو چکا تو قمر نے کہا "آپ نے فرمایا تھا کہ ذرا چھینٹا پڑ جائے تو میں تم کو باغ میں لے جاکر سمجھاؤنگا

کہ زمین کس طرح ماں بن کر سبز و شاداب پودوں اور پھولوں کی پرورش کرتی ہے اگر ممکن ہو اور مناسب سمجھیئے تو آج تشریف لے چلیئے۔"

اویس:۔ ہاں ہاں ضرور تم سب تیار ہو جاؤ۔

مغیرہ اور دونوں بچیاں تیار ہو کر اُس کے ساتھ چلیں۔ ابھی شہر سے باہر نہ نکلی تھیں کہ قمر نے کہا۔ "اوہو اماں جان آپ نے تمام سودا تو لے لیا مگر قند رہ گیا۔ بہت ممکن ہے کہ باغ میں میسر نہ آسکے۔ بہتر ہوگا کہ یہاں سے خرید لیں۔"

مغیرہ نے آدمی کو دو روپیہ دیئے اور کہا اچھا قند لے لو۔ آدمی قند کا پُڑا لے کر آیا۔ قمر نے قند ڈبے میں بھر لیا اور وہ کاغذ جس میں قند تھا ہاتھ میں لے کر پڑھنے لگی۔ تو سب سے اوپر یہ عنوان تھا۔

سمرنا کے یتیم بچّے

قمر چونکہ اس قسم کے مضامین کو غور سے پڑھا کرتی تھی۔ اس نے اپنی جگہ پر بیٹھ کر اخبار پڑھنا شروع کر دیا۔ مگر ابھی ارادہ ہی کیا تھا کہ اویس نے کہا۔

"کیوں بی قمر تمھاری ڈاک آئی؟ اخبار آیا؟"

قمر:۔ جی ہاں آگیا۔ مگر کوئی خاص بات نہیں ہے۔

اتنا کہہ کر قمر اس مضمون کے پڑھنے میں مصروف ہوئی تو ایک جلسہ کا ذکر تھا۔ جہاں صدر کی یہ تقریر تھی:۔

" وحشی یونانیوں نے جو مظالم سمرنا اور اس کے گرد و نواح میں مسلمانوں پر توڑے اُن کا عشر عشیر بھی ہندوستان کے مسلمان آنکھوں سے دیکھ لیں تو جسم میں رعشہ پڑ جائے۔ یہ وقت ایسا نہیں ہے کہ جس طرح ہم نے اسلام کے ہر حکم سے اغماض کیا۔

مسلمانانِ سمرنا کی حالتِ زار سے بھی مُنہ پھیر لیں۔ میں نہیں کہتا کہ آپ اُن سے ہمدردی کریں گے تو آپ کو بعد موت بڑے بڑے درجات ملیں گے۔ اگر آپ نے اس توقع پر کچھ کیا تو یقین جانئیے کہ آپ کی انسانیت پر دھبّہ لگیگا ہمارے بہت سے کام مذہب مقدس نے ہدایت کی ہے کئی صورتوں میں منقسم ہیں۔ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جن کی جزا آپ کو خدا تعالیٰ کے ہاں ملے گی اور گو اس خاص فعل میں بھی ان توقعات کو بڑا دخل ہے لیکن آپ اس وقت اُن توقعات کو سامنے نہ رکھیئے آپ کے سامنے صرف انسان ہے۔ مسلمان ہے۔ خاندان ہے۔ یہ گنتی کے آدمی مظلوم ہیں۔ ظالموں نے ان پر ظلم کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ ان کے گھر تاخت و تاراج کئے۔ ان کے بچّوں کو ماں باپ کی آنکھوں کے سامنے تہہ تیغ کیا۔ ان کی عورتوں کی آبروریزی کی۔ ان کی مساجد ویران کیں۔ خانقاہیں تباہ کیں اور جہاں خدا کے مقدس نام کا ڈنکا بجتا تھا۔ وہاں گدھے کے ہل پھروا دیئے! اُن لوگوں کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ اپنے پاک مذہب کی حمایت کر رہے تھے۔ کیا یہ مظلوم مسلمان جن پر یہ کچھ مصیبتیں ٹوٹ گئیں ہماری ہمدردی کے مستحق نہیں ہیں؟ کس قدر شرم کی بات ہے کہ ہم یہاں روزانہ اپنے بچّوں کو سینہ سے چمٹائیں۔ اپنے گھروں میں روزانہ اطمینان سے بیٹھیں۔ اور ہمارے کلمہ گو بھائی بچّوں سے گھروں سے آزادی سے۔ اطمینان سے۔ غرض زندگی کی ہر نعمت سے محروم ہو کر اس طرح زندگی بسر کریں کہ ان کو نہ روٹی نصیب نہ کپڑا پیسہ میسر۔ ان کے رہنے کے واسطے زمین نہ ہو اور خانماں برباد

بھوکے پیاسے آوارہ وطن مارے مارے پھریں!! مجھے تعجب ہے کہ کس طرح ہمارے حلق سے روٹی اترتی ہے اور ہم کیسے پانی پیتے اور دنیا کا لطف اٹھاتے ہیں۔ یہ سن کر بھی کہ ہمارے بھائیوں پر یہ کچھ گزر رہی ہے۔ کیا ہمارے پہلو میں دل ہیں؟ ہرگز نہیں۔ پتھر ہیں۔ کیا ہم انسان کہلائے جا سکتے ہیں؟ یقیناً نہیں۔ ہم جانور ہیں۔ کیا ہم مسلمان ہو سکتے ہیں؟ قطعاً نہیں۔ ہم کافر ہیں کہ ہمارے دل نہیں پسیجتے۔ ہم پر اثر نہیں ہوتا۔ ہم پروا نہیں کرتے۔ اگر تم لوگ زیادہ نہیں کھانا کھاتے وقت ان چھ روٹیوں میں سے جو تمھارے سامنے تمھاری ملکیت ہوں آدھی روٹی ان مظلوموں کیلئے نکال دو جو کئی کئی وقت کے فاقہ سے پڑے ہوئے ہیں تو اس طرح بھی ایک وقت میں ہزاروں روپیہ ان حاجتمندوں تک پہنچ سکتا ہے تم کو تعجب ہوگا کہ روٹیوں میں سے آدھی روٹیوں کو نکال سکتے ہیں؟ میرا مطلب یہ نہیں کہ تم آدھی روٹی لئے پھرو۔ اور وہاں تک کوئی پہنچانے والا نہ ہو۔ میرا مقصد یہ ہے کہ جو کچھ تم نے ان روٹیوں پر صرف کیا اس کا بارہواں حصہ نقد کی صورت میں ان تک پہنچا دو۔ سمرنا کی امداد تمھارے سامنے آج ہے۔ کل دوسری ہوگی۔ پرسوں تیسری۔ کبھی کسی کی کبھی کسی کی۔ کیونکہ مسلمانوں کی حالت روز بروز ابتر ہو رہی ہے۔ ان کا صفحۂ دنیا پر زندہ رہنا اب خدا ہی کے اختیار میں ہے۔ ظاہری آثار امید افزا نہیں۔ اس لئے جب تک زندہ ہیں ہم کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ ان ہاتھوں پاؤں کی بدولت جو ایک روز بیکار ہونے والے ہیں۔ جو کچھ آج ہم پیدا کر رہے ہیں

اس میں ایک حصہ مسلمانوں کا نہیں تو اسلام کا۔ اور اسلام کا نہیں تو مسلمانوں کا۔ غرض ہماری انسانیت، ہماری تہذیب، ہمارا اسلام جو کچھ بھی ہے یہ ہے کہ ہم مسلمانوں تک پہنچائیں جو کچھ پہنچا سکتے ہیں، جو اسلام کی حمایت میں سمرنا کی سرزمین پر یا یورپ کی حدود پر اپنے خون کی ندیاں بہا رہے ہیں۔ مجھے صرف ایک بات اور کہنی ہے اور مجھے اُمید ہے کہ آپ حضرات کو اگر ناگوار ہو تو معاف فرمائیں گے ہم میں سے وہ افراد جو مسلمان ہونا باعثِ ننگ سمجھ رہے ہیں اور جنھوں نے اپنے نام بھی کوّے کی طرح ہنس سے تبدیل کر لئے ہیں اور جن کی زندگی صرف اس لئے ہے کہ دوسروں کی تقلید پر پرکمر بستہ ہیں اور اس دُھن اور خبط میں اپنی عقل اپنی دولت اپنا مذہب سب قربان کر دیں۔ وہ مہربانی فرما کر ادھر متوجہ ہوں اور سوچیں کہ کیا اس سے زیادہ غلطی اس سے بڑھ کر عقل مندی اور اس سے افضل انسانیت کچھ اور ہو سکتی ہے کہ آج ایک چیز کو نہایت حقارت سے دیکھ رہے ہیں۔ کیڑے ڈال رہے ہیں۔ لغو سمجھ رہے ہیں لیکن کل اس کو سراہ رہے ہیں۔ تعریفیں کر رہے ہیں اور مدّاح ہیں! اپنے دعوی کو صاف کروں تاکہ معمّہ نہ رہے۔ کیوں حضرات کیا آپ صاحبوں کو یاد نہیں کہ آج سے پچیس برس پہلے بلکہ اس سے بھی زیادہ قبل میں شاید نصف صدی کہوں تو درست ہوگا۔ اک بہرے پائجامے تعلیم یافتہ حضرات کی نگاہ میں اس لئے کہ لکھنؤ کا نوابی فیشن تھا یا نوابی بھی نہ سہی ایک ایسے شہر کا لباس تھا جس کی شان و شوکت مٹ چکی تھی مضحکہ انگیز سمجھا جا رہا تھا

اور اگر کوئی شخص استعمال کرتا تھا تو اس کی ہنسی اُڑتی تھی مگر جب محققین و دانایانِ ہند نے "پتلون" کی ڈھیلی موری اور اس پاجامہ کے پائنچے میں مشابہت نکال لی تو اس کا عام رواج ہوگیا اور آڑے پاجامے جس میں پنڈلیاں پھنستی تھیں ایسے ذلیل ہوئے کہ پہننے والوں کی ہنسیاں اُڑنے لگیں اور یہ سمجھا جانے لگا کہ یہ اوباش عیّاش آدمیوں کا پہناوا ہے۔ وقت نے اس کی تحقیقات شروع کی اور پتہ لگایا کہ اس میں برجس کی مشابہت موجود ہے۔ لیجئے ہندوستان کا عام رنگ وہی ہوگیا۔ جس کو دیکھو "برجس" اٹرائے ہوئے ہے۔ وہ اعتراض اور قہقہے سب ختم ہوگئے اس وقت شاید آپ صاحبوں کو یاد ہوگا۔ "جانگیہ" کس قدر معیوب اور مذموم تھی۔ جہاں تک مجھے یاد ہے سقّہ دھوبی بھنگی چمار وغیرہ اس کا استعمال کرتے تھے۔ شرفا میں اگر کہیں اس کا دستور تھا تو اس طرح کہ گھر میں چپکے سے پہن لیا یا بچّوں کو پہنا دیا۔ لیکن وہی دانایانِ ہند جب اپنی تحقیقات کے ذریعے سے "نیکر" کے وجود پہ پہنچے اور ان کو معلوم ہوگیا کہ "جانگیہ" جسدِ شاہی پر بھی جگہ پا سکتا ہے تو اس سے بہتر لباس ہی کوئی نہ رہا اور آج چاروں طرف اس کا تماشا دیکھ رہے ہو۔ کیا آپ کو ہندوستان کی تہذیب کا علم نہیں۔ کیا آپ کے ہاں وہ لوگ نہیں تھے جو پنڈلیوں کا کھل جانا بھی معیوب سمجھتے تھے کیا آپ وہی نہیں ہیں کہ گھروں میں ننگا رہنا آپ کی شریف طبیعتوں نے کبھی گوارا نہیں کیا؟ وہی آج آپ ہیں کہ ہر طرف ٹانگیں کھولے اینٹھتے پھرتے ہیں۔ میں اُن حضرات سے اِس

کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ اگر ان کو اسلام کی کچھ لاج باقی ہے اور ان کو بھی کسی روز اس دنیا سے رخصت ہو کر اپنے اعمال دنیا میں چھوڑنے ہیں تو وہ غور کریں کہ اُن کے بھائی جو اس مصیبت اور آفت کا استقلال سے مقابلہ کر رہے ہیں، ہمدردی کے مستحق ہیں۔ اگر ہیں تو آج کونسی طاقت ہے جو آپ کا ہاتھ روک رہی ہے؟ اٹھیئے بسم اللہ کیجیے اور اپنی نیک کمائی میں سے مظلوم مردوں معصوم بچوں اور رانڈ بہنوں کو دیجیے۔ اُن کی دعائیں لیجیے اور اپنے انسانیت کے فرض سے سبکدوش ہو جیے۔

میری التجا صرف انھیں لوگوں پر ختم نہیں ہوتی جو اس وقت یہاں موجود ہیں۔ بلکہ ہر اُس شخص سے جو مسلمان ہے اور ہر اُس شخص سے جو اس تقریر کو سن رہا ہے۔ درخواست کرتا ہوں کہ یہ التجا ہر اس انسان کی خدمت میں پہنچا دیں جو مسلمان ہے اور مجھے کامل یقین ہے کہ یہ مخلص صدا بیکار نہ جائے گی۔ مسلمان اس موقع کو غنیمت سمجھیں اور سمجھ لیں کہ یہ مسلمان کی نہیں اسلام کی خدمت ہے"

اس تقریر کے پڑھنے سے قمر کی تمام خوشیاں افسردگی سے بدل گئیں۔ اُس کی آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے ایک ٹھنڈا سانس بھر کر پرچہ شمس کو دیا۔ اور منہ پر ہاتھ رکھ کر رونے لگی۔ دو یا تین منٹ تک قمر اپنا منہ چھپائے رہی۔ اسی عرصہ میں شمس اخبار ختم کر چکی تھی۔ قمر نے ہاتھ اٹھایا تو شمس مسکرا رہی تھی۔ ایک قہقہہ مارا اور کہنے لگی "یہ سب چندہ جمع کرنے کے ڈھکوسلے ہیں اور جاہل ان باتوں سے متاثر ہو کر جو کچھ پاس ہوتا ہے حوالے کر دیتے ہیں"

قمر :۔ کیا تم پر اس کا اثر نہیں؟

شمس :۔ مطلق نہیں۔

قمر:۔ کیوں؟
شمس:۔ اس لئے کہ میں جاہل نہیں ہوں۔
قمر:۔ کیا پڑھے لکھے ہمدردی سے محروم ہوتے ہیں؟
شمس:۔ یہ ہمدردی نہیں ہے۔
قمر:۔ تو پھر کیا ہے؟
شمس:۔ حماقت۔
قمر:۔ کیا ہمدردی حماقت ہے؟
شمس:۔ میں تو کہہ رہی ہوں ہمدردی ہے ہی نہیں۔
قمر:۔ تو پھر واقعات غلط ہیں؟
شمس:۔ ممکن ہے کہ غلط ہوں۔
قمر:۔ ممکن ہے کہ صحیح بھی ہوں۔
شمس:۔ ہاں یہ بھی ممکن ہے۔
قمر:۔ تو صحت کی حالت میں بھی ہمدردی ضروری نہیں؟
شمس:۔ نہیں۔
قمر:۔ کیوں؟
شمس:۔ اس لئے کہ تکلیف کی وجہ غلطی ہے۔
قمر:۔ وہ کیسے بھلا؟
شمس:۔ مسلمانوں نے غلطی کی کہ یونانیوں کا مقابلہ کیا۔
قمر:۔ پھر کیا کرتے؟
شمس:۔ فرمانبرداری۔
قمر:۔ ممکن ہے کہ ان کی کوشش یہی ہو۔

شمس :- ناممکن۔

قمر :- یہ کس طرح ؟

شمس :- فرماں برداری فاتح کا مقصد ہوتا ہے۔

قمر :- اور لالچ ؟

شمس :- بے شک شامل ہوتا ہے مگر فرمانبرداری کے بعد ظلم نہیں ہو سکتا۔ تم بیوق

ہو جاہل ہو۔ یونانی وحشی نہیں ہیں۔ اگر مسلمان فرمانبرداری کرتے تو اُن

ساتھ ایسا سلوک نہ کرتے۔

قمر :- تم نہایت سخت گفتگو کر رہی ہو جس سے تکلیف ہوتی ہے۔

شمس :- تکلیف اس لئے ہوتی ہے کہ تم جاہل ہو۔

قمر :- تم اس میں کچھ چندہ دو گی ؟

شمس :- جو کچھ تم دینا چاہتی ہو وہ بھی نہ جانے دوں گی۔

قمر :- میری ملکیت پر تم کو کیا اختیار ہے ؟

شمس :- اس لئے کہ تم بے وقوف ہو۔

قمر :- مجھے اس بے وقوفی پر فخر ہے۔

شمس :- ہر بے وقوف یہی سمجھتا ہے

قمر :- یہ بے وقوفی خدا مجھے عمر بھر دے۔

شمس :- خدا دشمن کو بھی نہ دے۔

قمر :- آپا جان آپ کو کیا ہو گیا ؟

شمس :- کچھ نہیں تمہاری طرح بے وقوف نہیں ہوں۔ جب یونانیوں کا سمرنا

قبضہ ہوا مسلمانوں کو مناسب تھا کہ اُن کے سامنے سر تسلیم خم کرتے

اخبار پڑھتی رہتی ہو۔ اسلامی سلطنت میں رعیت کی جو کیفیت ہے

سے آگاہ ہو. کیا اس کے بعد بھی تم کسی جگہ اسلامی سلطنت کی خواہاں ہو؟
قمر :- تو کیا آپ کی رائے میں کعبۃ اللہ اور مدینہ منورہ بھی غیر مسلم سلطنتوں کے قبضہ میں رہنے مناسب ہیں؟
شمس :- اس میں کلام ہی کس کو ہے. مسلمانوں سے بہتر حالت میں رہیں گے؟
قمر :- نعوذ باللہ
شمس :- کفر کا فتویٰ لگا دیجئے۔
قمر :- میں تو ایسی گستاخ نہیں ہوں۔
شمس :- آپ لوگوں کے پاس اس کے سوا اور ہے کیا؟
قمر :- آپ جیسے آدمیوں سے اسلام کو کیا فائدہ؟ (معاف فرمائیے)
شمس :- جی آپ ہی فائدہ پہنچایئے۔
قمر :- ہم فائدہ کے قابل ہوتے تو اچھا ہی نہ ہوتا۔
قمر کی حالت خراب تھی۔ اس کی آنکھوں میں اب تک آنسو ڈبڈبائے ہوئے تھے شمس کی گفتگو نے اس کے زخم پر نمک چھڑکا۔ ماں دونوں کی گفتگو سن رہی تھی اور کچھ فیصلہ کرتی یا نہ کرتی کہ شمس نے باپ کو جو گھوڑے پر ساتھ ہی ساتھ چل رہا تھا آواز دی۔
اویس :- کیا ہے؟
شمس :- کچھ عرض کرنا ہے۔
اویس :- کہو۔
شمس :- یہاں جگہ ہے تھوڑی دیر کے واسطے ٹھیر جایئے۔
اویس :- آگے مقبرہ آتا ہے وہاں ٹھیریں گے۔
شمس :- ہاں ٹھیک ہے۔

تھوڑی دیر میں مقبرہ آگیا اور سب اُتر کر اندر چلے گئے تو اویس نے کہا۔
"ہاں بیٹی شمس کیا کہہ رہی تھیں؟"

شمس:۔ پہلے آپ یہ تقریر پڑھ لیجئے۔

اویس نے تقریر پڑھی اور ختم کرکے پوچھا "کیا مطلب ہے؟"

شمس:۔ بی قمر رو رہی ہیں۔

اویس:۔ اچھا پھر .... اور تم؟

شمس:۔ میں ہنس رہی ہوں۔ کیونکہ جب وہ مولوی آئے ہیں۔ جنھوں نے وعظ کہہ کر مسجد کا چندہ لیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا۔ یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔

اویس:۔ بیٹی قمر تم کیا کہتی ہو؟

اس وقت خود اویس کے چہرہ پر ایک خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ جس نے قمر کو یقین دلایا کہ باپ بھی شمس کے خیال سے متفق ہے اور مجھ پر مفت میں تاڑ پڑی۔ طبیعت سنبھالی اور باپ سے کہا:۔

قمر:۔ میری طبیعت پر واقعی اس تقریر کا بہت اثر ہوا۔ میری رائے میں یہ ڈھکوسلا نہیں ہے۔ میں روزانہ اخبار پڑھ رہی ہوں اور اس کارخیر میں شریک ہونا اپنا فرض سمجھتی ہوں۔

شمس:۔ اپنا زیور دینا چاہتی ہو؟

قمر:۔ زیور میری ملکیت ہوتا تو میں قطعی دے دیتی۔

شمس:۔ تمھارا نہیں تو کس کا ہے؟

قمر:۔ میرے نام کا ہے مگر میرا نہیں ہے۔

شمس:۔ پھر تمھارے پاس کیوں ہے؟

قمر:۔ والدین کی امانت۔

شمس :۔ پھر تمھاری ملکیت کیا ہے؟
قمر :۔ دس روپیہ جو پرسوں جیب خرچ کو ملے ہیں۔
شمس :۔ بس تو وہ بھیج دو۔
قمر :۔ اُس کے بھیجنے میں کیا کلام ہے۔
شمس :۔ اور جو ابا جان ناخوش ہوں؟
قمر :۔ میں اُن کے حکم کے خلاف نہ بھیجوں گی۔
شمس :۔ مگر اس حکم کی تعمیل میں تکلیف ہوگی۔
قمر :۔ بے شک ہوگی اور بہت ہوگی۔
شمس :۔ ابا جان آپ نے جو اس روز ڈھکوسلا فرمایا تھا تو اماں جان نے بھی سُنا تھا اور اُن کے سُننے کے بعد یہ دھوکے میں آئیں۔ ایسی بھولی تھیں کہ اگر اُن کا اپنا ہوتا تو زیور تک دینے میں کسر نہ کرتیں۔ ہم نے تو اس روز سے آپ کا اشارہ گرہ باندھ لی۔

اس وقت قمر کی آنکھ سے پھر آنسو جاری ہوگئے اور اُس نے روتے ہوئے کہا :۔

"یہ میری کمزوری ہے تو اس کا ذمہ دار میرا دل ہے جس نے میری حالت خراب کردی حق یہ ہے کہ میری آج کی سیر ہرگز سیر نہیں۔ ان بہنوں کی تصویر میرے سامنے ہے جنھوں نے اپنے لال اسلام پر قربان کئے۔ ڈھکوسلا ہے تو ہم کو اپنی نیت سے کام ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ ہم نہیں پہنچ سکتے کہ ان زخمیوں کے ناسوروں پر پھاہا رکھیں۔ ہم جو کچھ کر سکتے ہیں وہ یہی کہ اپنے کھانے میں سے ان جاں نثارانِ ملّت کو دیں۔ اپنے کپڑوں میں ان کا حصہ لگائیں اور اگر اس میں خود ہمارے ہی بھائی ہم کو لوٹیں اور اس

ہوگا۔ انھوں نے ہم کو دھوکا نہیں دیا۔ بلکہ رانڈوں۔ یتیموں، بے کسوں، محتاجوں کا کھانا کھاکر ان کو بھوکا مارا۔ میرا ایمان یہ ہے کہ جس طرح ہماری دی ہوئی کوئی چیز مُردہ کو نہیں پہنچتی بلکہ اتنا رحم وکرم خدا کی طرف سے بندہ پر ہوتا ہے۔ اس پر رحمت ہوتی ہے اور عذاب کی تکلیف کم کردی جاتی ہے۔ اسی طرح ہماری یہ نذر بھی خالی نہ جائے گی۔ اگر غاصب مسلمان اُس کو ہضم کریں گے اور یتیموں کی ملکیت اپنے پیٹ میں آگ بھریں گے تو وہ خود ذمہ دار ہیں۔ لیکن خدا ہماری خدمت قبول کرے گا اور ضرور کرلے گا۔ یہی نہیں کہ اس کا ثواب ہم کو آخرت میں ملے گا۔ بلکہ اُن حاجتمندوں کو بھی کسی نہ کسی صورت میں کسی نہ کسی طریقہ سے ہمارا تحفہ پہنچ جائے گا۔"

ماں دونوں بچیوں کی تقریر غور سے سُن رہی تھی اور خاموش تھی جب اُس نے یہ دیکھا کہ اولیں بھی خاموش ہے اور وہ بھی غالباً شمس کے خیال سے متفق ہوگا۔ یہ سمجھ کر کہ کہیں قمر پر غصّہ نہ آجائے کہ یہ سب خرچ کے روپیہ برباد کرتی ہے۔ کہنے لگی :۔

"بیٹی قمر یہ تو تم نے سچ کہا کہ تم اپنا روپیہ دینا چاہتی ہو اور تمھارا دل اُن بچیاروں کی حالت پر کڑھتا ہے۔ بیشک روپیہ تو تمھارا ہے مگر اس لئے دیا گیا ہے کہ تم اپنے اوپر خرچ کرو۔ خرچ کرنے میں تم کو ہماری اجازت ضرور لینی چاہیئے۔"

قمر :۔ میں چونکہ اپنی ملکیت سمجھ رہی تھی اس لئے یہ لفظ میری زبان سے نکلے۔ اب آپ نے فرمادیا میں آپ کی بلا اجازت ہرگز نہ دوں گی۔ لیکن اماں جان آپ یقین کرلیجئے کہ میں اپنی نیت پوری کرونگی۔ سلائی سیوں گی۔ پسائی پیسونگی اور اس طرح جو کچھ میری محنت مزدوری کا جمع ہوگا وہ سب اپنے حاجتمند بھائیوں کی خدمت میں پیش کروں گی۔

ماں :۔ جب تمھارے اباجان اس کو پسند نہیں کرتے تو تم کیوں ضد کرتی ہو؟

قمر :۔ مجھے اباجان کی ناپسندیدگی کا ابھی علم نہیں ہوا۔

شمس :- اگر ہو جائے ؟
قمر :- اگر ہو جائے تو نہ بھیجوں گی ۔
شمس :- وہ بھی کہہ رہے ہیں اور میں بھی کہہ رہی ہوں اور امّاں بھی فرما رہی ہیں کہ یہ ڈھکو سلے ہیں ۔
قمر :- میں نے اُن سے سُنا نہ امّاں جان سے ۔
شمس :- اگر اب سُن لو؟
قمر :- خاموش ہو جاؤں گی ۔
شمس :- خوشی سے ؟
قمر :- نہیں ۔
شمس :- مجبوری ؟
قمر :- ہاں ۔
ماں :- اب شمس تجھے ہنڈی کی چھنڈی نکالنے سے کیا حاصل ۔
شمس :- کیوں، حرج کیا ہے ؟
ماں :- فائدہ کیا ؟
شمس :- ابّا جان کو بھی تو معلوم ہو جائے ۔
ماں :- معلوم ہو کر کیا ہو گا ؟
شمس :- کیوں قمر تمھاری رائے ابّا جان سے بھی زیادہ ہے ؟
قمر :- زیادہ اور کم کا سوال تو نہیں ۔
شمس :- تم اُن کی رائے سے متفق بھی ہو ؟
قمر :- یہ اختلاف رائے ہے ۔
شمس :- تو تم اپنی رائے پر عمل کرو گی ؟

قمر :- یہ ضروری نہیں۔

شمس :- تو پھر کیوں مفت خوروں کو چندہ دیتی ہو۔ تم کو معلوم ہے یہ روپیہ کس محنت سے پیدا ہوا ہے اور تم کو جو کچھ دیا جاتا ہے مفت نہیں آتا اور اس لئے نہیں دیا گیا کہ بدمعاش اس سے مزے اُڑائیں۔

قمر :- میں شاید اتنا سمجھتی تو ہوں کہ روپیہ مفت نہیں آتا اور ابّا جان کو اس کے پیدا کرنے میں اتنی ہی محنت کرنی پڑتی ہے جتنی ہر مرد کو۔ اور جہاں تک میرا خیال ہے میں یہ بھی جانتی ہوں کہ مجھ کو روپیہ ضائع نہ کرنا چاہیئے لیکن آپ تو پھر پھر کر اسی جگہ آ گئیں۔ آپ جسکو اُڑانا اور ضائع کرنا خیال کرتی ہیں میں اس کو نیک لگنا سمجھتی ہوں۔

شمس :- تم نے اس دن "چندہ والے روز" اباجان کا ارشاد نہیں سُنا تھا؟

قمر :- میں موجود تھی سُنا کیوں نہیں۔

شمس :- پھر اُس پہ عمل کے لئے تیار نہیں ہو؟

قمر :- اس موقع پہ اباجان نے جو کچھ فرمایا تھا بالکل صحیح تھا۔

شمس :- اور اب غلط ہے؟

قمر :- نہیں میں یہ گستاخی نہیں کر سکتی۔

شمس :- صریحاً کہہ تو رہی ہو۔

قمر :- میں یہ نہیں کہہ رہی۔

شمس :- پھر کیا کہہ رہی ہو؟

مغیرہ :- بس جانے دو تم دونوں سیر کو آئی ہو یا خواہ مخواہ لڑنے کو۔

شمس :- میں تو ....

ادریس :- .... بس دونوں خاموش ہو جاؤ۔

اویس کا چہرہ جس پہ اب تک خاموشی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس وقت بگڑ گیا تھا اب قمر کو پورا یقین تھا کہ شمس نے آج ابا جان سے میری نفضیحتی کروائی۔ اس خیال میں مغیرہ بھی تھی لیکن شمس اپنی کامیابی پر بہت نازاں تھی کہ اویس نے کہا۔

" قمر تمھاری نیک طبیعت اور پاک جذبہ سے میں بہت خوش ہوا۔ حقیقت یہ ہے سمرنا کے مظلوم مسلمان جنھوں نے محض دین حق کی حمایت میں یہ تمام مصیبتیں جھیلیں، ہماری دلی ہمدردی کے مستحق ہیں۔ ہم اگر ان کی تکلیف سے متاثر نہ ہوں تو ہم پر خدا اور اس کے فرشتوں کی لعنت۔ یقیناً لعنت، تمھاری اس وقت جو کیفیت ہے۔ ہر مسلمان کی یہی ہونی چاہیئے۔ کیا وہ کمبخت بھی اپنے تئیں مسلمان کہہ سکتا ہے جو اس تقریر کو پڑھے اور ان آوارہ وطن خانماں برباد مسلمانوں کا حال سننے کے بعد نہ پسیجے۔ میں خدا کو شاہد کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ مجھ کو اس مہینہ کیا اس سال میں بھی کسی چیز سے اس قدر مسرت حاصل نہ ہوئی جس قدر تمھاری اس تقریر سے۔ یہ کل زیور جو تمھارے پاس موجود ہے۔ لاریب تمھاری ملکیت ہے۔ تم اس کو شوق سے مظلومین تک پہنچا دو اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس مہینہ میں اُس سے دُگنا تم کو بنوا دوں گا۔ اس وقت جس قدر قیمت کا تمھارا زیور ہے اتنا ہی روپیہ میں اپنے پاس سے دوں گا۔ خدا تمھاری عمر میں برکت دے۔ مظلومین کی دُعا خالی نہیں جاتی۔ اور اس وقت ان بیکسوں سے زیادہ مظلوم مشکل سے کوئی ہوگا۔ جنھوں نے صرف اسلام کو بچانے کے واسطے اپنے بال بچّے، اپنا گھر بار، اپنا عیش و آرام سب قربان کیا۔ کاش ہم کسی قابل ہوتے اور ان سے زیادہ اُن جاں نثاران ملّت کے کام آتے جو اس گئی گزری حالت میں بھی کہ اسلام قریب رخصت ہوگیا۔ اپنے آبا و اجداد کے کارنامے زندہ کر رہے ہیں۔ افسوس بیٹی شمس تم کو اتنی عقل بھی نہیں کہ وہ شخص جس کی میں نے مخالفت کی تمھارے واسطے ایک سبق ہو گیا اور میرے الفاظ کی آڑ میں اس نیک خدمت کو

بھی تم نے مطعون کر دیا۔ کیا اسلام کی محبت تمھارے دل میں مطلق نہیں ہے۔ کیا ہمدردی کا مادّہ تمھارے دل سے مفقود ہو گیا؟ وہ ایک دوسری حالت تھی جس کا آج کل ہندوستان میں زور ہے۔ میں نے اس کو بُرا کہا اور اُس چندہ میں شریک ہونا مناسب نہ سمجھا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ میں ایسے اہم کام میں بھی چندہ سے انکار کروں۔ تمھاری بابت میری جو کچھ رائے ہے وہ تمھاری امّاں اچھی طرح جانتی ہیں۔ مگر آج میں تمھاری گفتگو سُن کر دنگ رہ گیا۔ کیا تم کو اس کو دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے؟ اور صرف یہی خود غرضی لامذہبی تمھارے کام آئے گی۔ ایسی سخت مخالفت کے بعد جو تم نے مظلومین سمرنا کی ظاہر کی کیا تم مسلمان اور انسان ہونے کا دعویٰ کر سکتی ہو؟ جس دل میں درد نہیں، جو مظلوم کی تکلیف سے متاثر نہیں ہوتا وہ دل نہیں پتھر ہے۔ خدا ایسے دل کو مردہ کر دے تو بہتر ہے۔ اس تقریر کو سننے کے بعد میں سچ کہتا ہوں۔ مسرّت کے تمام جذبات جو اس تفریح سے متعلق تھے۔ میرے دل سے محو ہو گئے۔ اور اس وقت گاڑیاں صرف اس لئے لوٹا کر گھر چلتا ہوں کہ آج جو کچھ ہم سے ممکن ہو اپنے بھائیوں اور بہنوں اور اپنے بچّوں کی خدمت میں پہنچا دیں۔"

اتنا کہہ کر اویس نے گاڑیوں کے واپس کرنے کا حکم دیا۔ شمس اور مغیرہ دونوں اویس کا منہ تکنے لگیں۔ مگر جب دیکھا کہ خود اس کی آنکھ سے بھی قمر کی طرح زار و قطار آنسو کی لڑیاں بہ رہی ہیں تو ایک حرف زبان سے نہ نکال سکیں۔ قمر نے اپنا زیور خوش خوش نکالا اور اویس نے اس زیور کا دو ہزار روپیہ دے کر دو ہزار اپنے پاس سے ملائے اور سمرنا فنڈ میں بھیج دیئے۔

(۱۲)

عزیز بہن شمس! آج میرے بھائی جان کے امتحان ایل۔ ایل۔ بی

کی کامیابی میں مولود شریف ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ آپ بھی
تشریف لاکر میری عزّت افزائی کریں اور شام کا کھانا میرے ساتھ
تناول کریں۔ براہ کرم سات بجے تک یہاں پہنچ جایئے۔

عاجزہ

زہرہ

ایک ہی مضمون کے دو رقعے تھے جو شمس اور قمر کے پاس اُن کی سہیلی زہ
کے آئے کہ وہ خود مولود شریف اور شام کے کھانے میں شریک ہوں۔ شمس نے
جواب میں رقعہ پر لکھدیا "بسر وچشم"

قمر نے علیحدہ پرچہ یہ لکھا۔

عزیزہ زہرہ بیگم! اس مژدہ سے جو مسرّت حاصل ہوئی ہے
اس کا اظہار ضروری نہیں۔ خداوند کریم آپ کو ایسی ہی خوشیاں عطا
فرماتا رہے۔ میں ضرور حاضر ہونے کی کوشش کروں گی۔ اوّل تو
آپ کی خوشی میں شرکت اور پھر حضور اکرمؐ کا ذکرِ خیر۔ مگر برسات کی
وجہ سے آج کل غیر معمولی دقّت ہو رہی ہے۔ اگر مینہ وقت پر برس
گیا تو ممکن ہے کہ میں شرکت سے مجبور رہ جاؤں۔ تاہم جہاں تک
میرے امکان میں ہے حاضر ہونے کی کوشش کروں گی۔

رقعے صبح کو آئے تھے۔ چھ بجے شام کو جو روانگی کا وقت تھا مینہ برس
شروع ہو گیا اور اس شدّت کا کہ پناہ بخدا۔ مینہ جتنا زیادہ ہوتا جاتا تھا اتنی
شمس خوش اور قمر رنجیدہ ہو رہی تھی۔ بالآخر قمر نے کہہ ہی دیا۔ "آپ اس
خوش کیوں ہیں؟"

شمس: جانے سے بچے!

قمر:- آپ نے بارش کا عذر کر دیا تھا؟
شمس:- کیا تو نہیں مگر کیا وہ نہیں سمجھ سکتیں؟
قمر:- پھر آپ نے کیا لکھا تھا؟
شمس:- میں نے صرف یہ لکھ دیا "بسر و چشم"
قمر:- اب آپ کا ارادہ جانے کا نہیں ہے؟
شمس:- خوب! یہ جانے کا موقع ہے؟
قمر:- وہ انتظار کریں گی۔
شمس:- کیا دیوانی ہیں؟
قمر:- دیوانی کیسی؟
شمس:- اس مینہ میں کون جا سکتا ہے؟ تم جاؤ گی؟
قمر:- کوشش کروں گی۔ میں نے بڑی بی کو بھیجا ہے کہ ڈولی لے آؤ۔ اماں جان سے بھی اجازت لے لی۔
شمس:- خیر بی بی کمال کیا۔ شاباش تم جاتی کو اور آفرین اُن بھیجتی کو۔
قمر:- اس میں شاباش اور آفریں کی کیا بات ہے؟
شمس:- یہ جانے کا موقع ہے؟
قمر:- اُن کو تو اس سے بحث نہیں۔ انھوں نے تیاریاں کی ہوں گی۔ ہم نے مشروط وعدہ نہیں کیا حتمی کیا ہے۔ پھر ہمارے نہ جانے سے ان کو کس قدر مایوسی ہو گی۔
شمس:- تم نے کیا وعدہ کیا تھا؟
قمر:- میں نے تو گو برسات کا عذر کر دیا تھا مگر یہ لکھ دیا تھا کہ حتی الوسع آؤں گی۔ اب اس کا ایفا ضروری ہے۔
شمس:- وہاں پریشانی کے سوا ہو گا کیا؟

قمر :- پریشانی کا ہے کی؟

شمس :- مولود شریف میں چپقلش کے سوا اور کیا ہوتا ہے؟

قمر :- واہ کیا بات کہہ رہی ہو۔ بہر حال میں وعدہ پورا کروں گی!

شمس :- جاؤ بسم اللہ کرو۔ لو ڈولی آ گئی۔

قمر اس وقت تو ماں سے پوچھ ڈولی میں بیٹھ سیدھی زہرہ کے ہاں پہنچی، مگر رات کو جس وقت واپس آئی تو باپ نے پوچھا "کیوں بیٹی کتنی ایک لڑکیاں شریک تھیں؟"

قمر :- کیا عرض کروں میں تو شاید کہہ سکتی ہوں کہ ایک میں ہی بیوقوف تھی۔ باہر کی آنے والی لڑکیوں میں سے ایک بھی نہ تھی۔ صرف گھر ہی گھر کی پانچ لڑکی بالیاں تھیں۔ زہرہ کو اس قدر مایوسی ہوئی کہ خدا کی پناہ۔ انھوں نے کھانے کا انتظام نہایت اعلیٰ پیمانہ پر کیا تھا۔ لکھنؤ کے باورچی بلائے تھے اور چھ ہی بجے تمام کھانا تیار ہو گیا تھا"

اویس :- مولود شریف بھی ہوا یا نہیں؟

قمر :- جی نہیں۔

اویس :- کیوں؟

قمر :- ہوتا کیا کوئی سننے والا ہی نہ تھا۔ گھر کی جو عورتیں تھیں وہ اپنے اپنے جھگڑوں میں ایسی گرفتار تھیں کہ دم بھر کو بیٹھنا مشکل تھا۔ مجبوراً ملتوی کرنا پڑا۔

اویس :- بے چاری کا سخت نقصان ہوا۔

قمر :- افسوس اس بات کا ہے کہ مسلمان عورتوں کے کام سراسر اصولِ اسلام کے خلاف ہیں۔ ایفاء وعدہ کی ہمارے ہاں کس قدر تاکید ہے۔ جھوٹ بولنے کی ہم کو کیسی سخت ممانعت کی گئی ہے۔ مگر ہم میں بہت ہی کم ایسی عورتیں ہیں جو وعدہ پورا کرنا لازمی اور سچ بولنا ضروری خیال کرتی ہوں۔ میں جب

زہرہ سے دریافت کیا کہ تمھارے رقعوں کے جواب میں سب نے وعدہ کیا یا مشروط اقرار۔ تو زہرہ نے جواب دیا "ایک سو چھ رقعوں میں سے جو بھیجے گئے تھے۔ صرف تم نے مشروط اقرار کیا تھا۔ باقی سب کے وعدے حتمی تھے۔ اگر مجھ کو قبل از وقت معلوم ہو جاتا کہ آنے والیوں کی تعداد کم ہو گی تو میں کھانا کم پکواتی۔ اور صرف اتنی ہی عورتوں کا انتظام کرتی جن کا آنا یقینی ہوتا۔ علاوہ ازیں میں نے ان کو جو تکلیف دی تھی۔ اس کا معاوضہ بھی اُن کے واسطے معقول تجویز کر دیا گیا تھا کہ وہ حضور اکرمؐ کے حالات سے محظوظ ہوں لیکن افسوس ہم مسلمانوں کی حالت اس قدر ردّی ہو گئی ہے کہ ان کو کسی بات کا بھی پاس نہ رہا۔ میں اب اس کے سوا اور کیا کر سکتی ہوں کہ یہ پچاس بچے جو یتیم خانے سے آئے ہوئے ہیں۔ اُن کو کھلا کر باقی کسی یتیم خانے میں بھیج دوں گی۔ میری رائے میں وعدہ کرنے کے بعد بارش کا عذر کرنا یقیناً معقول نہیں ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ ہم نے کھانے کا بھی انتظام کر لیا تھا۔ میں اس کا جواب اس کے سوا اور کیا دے سکتی تھی کہ مجھے واقعی آپ کی تکلیف سے افسوس ہوا۔ خداوند کریم ہماری حالت پر رحم کرے۔

اویس :- کیا شمس کا بلاوا نہ تھا؟

قمر :- ... ...

اویس :- کیوں شمس تجھ کو نہیں بلایا؟

شمس :- جی بلایا تو تھا مگر مینہ میں ہمت نہ پڑی۔

اویس :- تم کو بارش کا حال معلوم تھا۔ صبح سے ابر گھرا اُٹھا تھا۔ وعدہ مشروط کیا تھا یا حتمی؟

شمس :- میں نے مشروط تو نہیں کیا۔ لیکن اس مینہ میں دیکھ لیجئے۔ اور بھی تو کوئی نہیں آیا۔ ایک البتہ یہ پہنچ گئیں۔

اویس :- انھوں نے اچھا کیا ان کو جانا چاہیئے تھا۔ حالانکہ ان کا وعدہ مشروط

تھا اگر یہ بھی نہ جاتیں تو شرعاً اخلاقاً ان پہ الزام نہ آسکتا تھا۔

قمر :- مگر میاں نے آخر میں یہ بھی تو لکھ دیا تھا کہ ستی انوسع ضرور آؤں گی۔ مینہ سے رُک جانا حتی الوسع کہاں رہتا۔

اویس :- تم نے بہت اچھا کیا۔ تم کو ضرور جانا چاہئے تھا!

منیرہ :- بے شک وعدہ کا پورا کرنا انسانیت کا پہلا فرض ہے۔

(۱۳)

لڑکیوں کی شادی کے متعلق میرے اور تمھارے خیالات میں ہمیشہ سے آسمان زمین کا فرق ہے اور اسی اختلاف کی وجہ سے دو تین موقع ہاتھ سے نکل گئے۔ خیر اس وقت کا زیادہ افسوس نہیں کیونکہ دونوں میں گنجائش موجود تھی۔ اب وقت نہیں کہ ہم محض اپنے خیالات کی وجہ سے اس معاملہ میں لاپروائی کریں۔ اور کھٹائی میں ڈال کر بےفکر نہ کریں۔ تم دیکھ رہے ہو اپنے ہی کنبہ میں لڑکیاں پوری جوان ہو چکیں، بلکہ میں یہ بھی کہوں گی تو غلط نہ ہوگا کہ عمریں ڈھل رہی ہیں اور بر نہیں جُڑتا۔ ان دونوں کی بھی عمریں اگر زیادہ نہیں ہوئیں تو کچھ کم بھی نہیں ہیں۔ یہی دن کھانے پینے اور اوڑھنے پہننے کے ہیں۔ جب جوانی ہی قید میں بسر ہوئی۔ کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی قید ہی ہے کہ سوا معمولی کپڑوں کے نہ اُن کو کسی لباس کی اجازت ہے۔ نہ کہیں جانے آنے کا حکم۔ تو بڑھاپے میں تو کون کیا کرتا ہے۔ جہاں تک میں غور کر رہی ہوں میں یقیناً تو نہیں کہہ سکتی مگر غالباً وہ خود ہماری لاپروائی اور خاموشی کو محسوس کر رہی ہیں۔

اویس :- میں نے کسی وقت اور کسی حالت میں بھی بچیوں کی شادی کی طرف سے لاپروائی نہیں کی۔ میں ہر وقت خود اس فکر میں ہوں کہ کس طرح یہ ضروری کام

جلد ہی انجام پا جائے لیکن وقت اتنا نازک اور موقع ٹیڑھا ہے کہ میں قطعاً مجبور ہوں۔ باوجود ضرورت کے احساس کے میں اس کے واسطے تیار نہیں ہوں کہ اگر کوئی معقول تعلق نظر نہ آئے تو اندھا دھند کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دیدوں۔ تمھارا یہ کہنا درست نہیں کہ ہم خاموش رہے یا لاپروائی کی۔ میرے علم میں آج تک کوئی باقاعدہ درخواست نہیں ہوئی۔ صرف تم نے دو دفعہ وہ بھی باتوں باتوں میں مجھ سے صوبہ دار کا ذکر کیا۔ میں نے جو کچھ سُنا تھا وہ تم سے کہہ دیا۔ گو لڑکے بی۔ اے تک پہنچ گئے ہیں مگر ان کے ہاں کی معاشرت وہی گنواروں کی سی ہے اور صبح ہی اُٹھ کر عورتوں کا کام اپنے ہاتھ سے گوبر تھوپنا اور دودھ دوھنا ہے۔ پھر بھی میں نے تم سے کہا تھا کہ اگر انھوں نے خواہش ظاہر کی ہے تو تم باقاعدہ رقعہ منگوالو۔ تم نے اس کے بعد پھر مجھ سے ذکر ہی نہیں کیا اور آج مجھ کو اس کا ذمہ دار قرار دیتی ہو۔ میری رائے میں یہ کام زیادہ تر عورتوں ہی کے ہیں۔ وہی اس کا زیادہ خیال کرتی ہیں اور ان ہی کی نگاہ ایسے موقعوں پر اچھی طرح پہنچ سکتی ہے۔ مردوں کا کام ان معاملات میں رائے دینے اور فیصلہ کرنے کا ہے کہ آیا تعلق بہتر ہوگا یا ناقص۔ تم نے اس وقت تک کوئی جگہ تجویز کی ہوتی۔ کوئی رقعہ طلب کیا ہو تو بتادو؟ میں اس تگ و دو میں رہتا ہوں اور اب بھی میرے ذہن میں لڑکے موجود ہیں۔ مگر جو کچھ میں چاہتا ہوں وہ نہیں ہے۔"

مغیرہ:۔ تم کیا چاہتے ہو؟

اولیس:۔ میں ہرگز اس بات کا خواہش مند نہیں ہوں کہ ہزاروں روپیہ کا چڑھاوا اور لڑکے کی جائداد لاکھوں روپے کی ہو۔ میری رائے میں ایک معقول تعلیم یافتہ لڑکا جس کے مستقبل کی معقول توقعات ہوں۔ خواہ غریب ہی کیوں نہ ہو بہت مناسب ہے۔

مغیرہ:۔ جن لڑکوں کو تم کہہ رہے ہو اُن میں کیا نقص ہے؟

مغیرہ :۔ ایک تو ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ رڑکی میں انجنیئری پڑھ رہا ہے۔ دوسرا صرف
انٹرنس پاس ہے اور جہاں تک میں نے سُنا ہے اس کے خیالات اچھے نہیں
وہ یہ بھی سوچ رہا ہے کہ ایسی بیوی ملے جس کے ساتھ ہزاروں کی جائداد ہو۔
مغیرہ :۔ یہ تو آج کل سب ہی سوچتے ہیں کون چاہتا ہے کہ خالی خولی لڑکی سے
کرے۔
ادیس :۔ جو یہ سوچتے ہیں اُن کو حق نہیں کہ لڑکی ملے۔ ایسا سوچنا پرلے سرے کی
نالائقی اور بیہودگی ہے۔ بہرحال تم کہو۔ تمھارے علم میں کونئی بات ہے۔
مغیرہ :۔ ہاں اسی لئے میں نے یہ ذکر چھیڑا ہے۔
ادیس :۔ کہو۔
مغیرہ :۔ کل ماموں جان آئے تھے۔ نصیر کی پہلی بیوی سے نہیں بنتی۔ جہاں تک
امکان تھا کوشش کی کہ دونوں میں سکون ہو جائے۔ اب وہ نا اُمید ہو گئے
اور اس کا دوسرا نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ پہلی بیوی موجود ہے۔ اس
لئے دس ہزار کی جائداد بہو کے نام لکھنے کو رضامند ہیں۔
ادیس :۔ تم نے اس وقت میرے تن بدن میں آگ لگا دی۔ نصیر جیسا ناہنجار لڑکا جس کو
حمیت و غیرت مطلق نہیں۔ جس کے آگے تین چار لڑکیاں موجود ہیں۔ جس کی بیوی کے
بدن پر ثابت کپڑا تک نہیں۔ جس کے بچّوں کو پیٹ بھر کھانا نہیں۔ کیا ایسے شخص سے
جو بھوکی اولاد کے سامنے خود ڈٹ ڈٹ کر کھانا کھائے۔ کیا ایسے انسان سے جو
پہلی بیوی کی موجودگی میں خود کوٹ پتلون کے مزے اُڑائے۔ تم کوئی توقع کر سکتی
ہو؟ اوّل تو تم کو حق کیا ہے کہ ایک بیوی کی موجودگی میں بغیر عذر شرعی کے سوکن
دو؟ کیا تم کو یقین ہے کہ اس کی پہلی بیوی اندھی لولی ہے، اپاہج ہے، بانجھ ہے
اور اگر نہیں تو تم جس طرح اس کو جائز سمجھتی ہو کہ ایک بیوی پر اپنی لڑکی دو۔ جو کچھ

آج تم دنیا کے ساتھ کر رہی ہو۔ دنیا حق رکھتی ہے اور اس کا دستور یہ بھی ہے کہ وہی تمھارے ساتھ کل کرے اور اُس کا بدلہ تم کو دے۔ کیا تمھاری بیٹی پر جب ایک تیسری سوکن آئے گی یا تمھاری دوسری بیٹی پہ ایک سوکن نمودار ہوتی۔ اُس وقت تمھارا یہ مُنہ ہے کہ تم بیٹی دینے والوں سے بات کر سکو؟ میں ایک، دو دفعہ نہیں بارہا تم سے یہ بحث کر چکا ہوں اور بتا چکا ہوں کہ کثرت ازدواج کا مسئلہ نہایت نازک ہے۔ مسلمانوں کو یہ حق ہرگز نہیں کہ مردوں کو اس اجازت سے جو شرع اسلام نے عطا کی محروم کردیں۔ اس لئے ان کو بحثیت مسلمان ہونے کے اس اجازت میں ترمیم یا تنسیخ کا خیال کرنا بھی گناہ ہے۔ ہاں وہ اُس کے نتائج سے متاثر ہو کر اس لئے کہ مسلمان خدا کے اس عطیہ سے ناجائز فائدہ اُٹھا رہے ہیں اور اپنی نفس پروری کی وجہ سے ان بیبیوں کو زندہ درگور کر رہے ہیں۔ ایسا انتظام کر سکتے ہیں کہ اس کی نوبت ہی نہ آئے۔ اور اس کی سب سے بہتر تدبیر یہ ہو سکتی ہے کہ ماں نہیں، باپ جو مجاز شرعی نکاح کا ہے، ایسے موقع پر جب بیٹی کسی ایسے شخص کے نکاح میں جا رہی ہو۔ جس کی پہلی بیوی موجود ہے۔ واقعات پر اچھی طرح نظر ڈالے اور دیکھے کہ نکاح کرنے والے کے جو عذر ہیں، وہ کس حد تک معقول ہیں۔ اگر عذر معقول ہو۔ تو خیر ورنہ لڑکی دینی نہ صرف اپنی لڑکی کو کوئیں میں دھکیلنا ہے بلکہ ایک دوسری زندگی برباد کرنی ہے۔ مجھے نصیر کے نام پر غصہ آرہا ہے۔ میرے اختیار میں ہو تو میں اس کو محلہ سے غارت کرا دوں۔ میں اس کی صورت دیکھ کر بھنا جاتا ہوں اور جس وقت وہ میرے پاس آکر باتیں کرتا ہے تو آگ لگ جاتی ہے۔ کپڑا ایسا اعلیٰ جو بڑے بڑے امیروں کو میسّر نہیں کرتا ہے۔ بوٹ اتنا قیمتی کہ گویا ہزار روپیہ مہینہ کما رہا ہے۔ مگر گھر میں جا کر دیکھو تو بیوی کے بدن پہ ثابت کرتہ نہیں۔ اور بچی کی ٹانگوں میں ڈھنگ کا پجامہ نہیں۔ ماموں جان اپنی قبر میں انگارے بھر رہے ہیں۔

تم سمجھتی ہو کہ وہ نیک، پارسا، ایماندار ہیں۔ ہر وقت تسبیح ہاتھ میں ملتے پر اتنا بڑا گھٹّہ۔
تہجد گزار اور وظیفی۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان سے زیادہ بے ایمان دوسرا نہ ہوگا!!
مجھے افسوس ہے کہ میری زبان سے ایسا لفظ نکل گیا۔ مگر کیا کروں وہ اس کے مستوجب
ہیں۔ انھوں نے بہو کو لونڈی بنا رکھا ہے۔ وہ بے وارثی ہے کہ باپ اور ماں دونوں
مر چکے ہیں کوئی اتنا نہیں کہ اس کی حمایت لے۔ دم بھر جا کر بیٹھو کوئی تذکرہ نہیں۔ بس بہو
کے کیڑے ہیں اور ساتھ ہی ناہنجار بدبخت بیٹے کی تعریف۔ بہو غریب کی آنکھ سے آنسو
کی لڑیاں ہیں کہ بہہ رہی ہیں اور وہ ملعون اپنی تعریفیں سن سن کر خوش ہو رہا ہے،
اور ہنس رہا ہے۔ میں تو پچھلی مرتبہ گیا تھا۔ جب یہ منظر سامنے آیا جی میں جل رہا تھا
کہ مردود کہتا کیا ہے۔" ابا جان میں کس قابل ہوں ہاں آپ کا تابعدار ہوں۔" ایسے
نالائق لڑکے کا پیام دیتے ہوئے ان کو شرم آنی چاہیے۔ کیا اس کی بیوی پڑھی
لکھی نہیں۔ سینا پرونا نہیں جانتی کیا؟ کھانا پکانا نہیں آتا؟ بچوّں والی نہیں؟ شریف
نہیں؟ فرمانبردار نہیں؟ کیا نہیں؟ بتاؤ اس میں کیا نقص ہے؟ زیادہ سے زیادہ
یہ کہا جا سکتا ہے کہ خوبصورت نہیں۔ ہائے کیسے صدمہ کا وقت ہے کہ مسلمان لڑکے
شریف زادیوں پر بدصورتی کا الزام لگائیں!! حسنِ صورت کے واسطے ملک میں بازار
بھرے پڑے ہیں۔ شریف زادیوں کی صورت اُن کے جوہر ہیں کہ تموّل اور افلاس
دونوں میں یکساں ہیں۔ کیا تم ایمان سے کہو گی کہ ماموں جان نے نکاح کے وقت
کیسے کیسے وعدے اور کیسے کیسے قول و قرار کئے تھے۔ تم کو شاید یاد نہ ہو مجھے تو اب
تک یاد ہے کہ اُس کی صورت کے متعلق اس بدنصیب کی مرنے والی ماں نے صاف
کہہ دیا تھا کہ آپ سب صاحبوں کی دیکھی بھالی لڑکی ہے جس کو شبہہ ہو وہ اب دیکھ
لے کہ زنگ۔ سانولا ہے ایسا نہ ہو پھر جھگڑے پیدا ہوں اور کہا جائے ہم سے کہا نہیں۔
اس وقت ماموں جان نے کیسی کیسی منتیں کی ہیں۔ اب بڑے میاں قبر میں پاؤں لٹکائے

بیٹھے ہیں اور تو سب کر چکے ایک نامۂ عمل میں اتنی سی کسر اور باقی ہے۔ وہ بھی پوری کرنا چاہتے ہیں۔ میں تو اپنے ہاتھ سے لڑکی کو زہر دیدوں۔ کوئیں میں پھینکدوں گلا گھونٹ دوں اور اس مردود کا نام نہ لوں۔ تم نے میرے سامنے ذکر کر کے مجھے تکلیف دی۔ تم کو اس کے بچّوں پر رحم نہ آیا! اُس کی مظلوم بیوی پر ترس نہیں آیا! غضب خدا کا بدنصیب سارے گھر کا کھانا پکائے اور اُس کو اپنے تئیں وہی بارہ روپیہ مہینہ اور چار دم۔ بلکہ پانچ چار لڑکیاں ایک خود! سب کا پکا چکے پھر اپنا پکائے۔ مجھ کو اچھی طرح معلوم ہے۔ ان ہی بارہ روپوں میں کپڑا لتّہ کھانا پکانا۔ اپنا اور بچّوں کا تمام کام ہے۔ تم ہی ایمان سے کہو۔ آج کل بارہ روپیہ سے زیادہ ایک ماما پر صرف ہوتے ہیں۔ تمھاری اپنی ماما ہی پر تمھارا ایمان ہے پندرہ روپیہ صرف ہو رہا ہے۔ اگر ماموں جان ماما ہی رکھیں تو پندرہ روپیہ صرف ہوں۔ پھر مجال نہیں عید کو بقر عید کو تیج کو تہوار کو ایک پیسہ تو بڑھتی مل جائے۔ گھر کمین کو بھی عیدی مل جاتی ہے وہ بدنصیب اس سے بھی محروم ہے۔ میں تو کہتا ہوں اُس سے زیادہ بدنصیب دنیا میں کوئی نہ ہوگا۔

مغیرہ:۔ ایک بات اور ہے؟

ادیس:۔ وہ کون سی؟

مغیرہ:۔ جمیل کا چھوٹا بھائی۔

ادیس:۔ ہاں سمجھ گیا۔

مغیرہ:۔ کیا رائے ہے؟

ادیس:۔ وہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔

مغیرہ:۔ کیوں؟

ادیس:۔ تین مرتبہ انٹرنس میں گیا تینوں مرتبہ فیل۔

مغیرہ:۔ پھر؟
اویس:۔ پھر کیا؟
مغیرہ:۔ جائداد تو ہے۔
اویس:۔ جائداد سے نکاح کر رہی ہو؟
مغیرہ:۔ جائداد سے تو کوئی نہیں کرتا۔
اویس:۔ لڑکا اپنی ذات سے کچھ نہیں۔
مغیرہ:۔ آخر کیا کرنا چاہیئے؟
اویس:۔ صبر۔
مغیرہ:۔ کب تک؟
اویس:۔ جب تک ہو سکے۔
مغیرہ:۔ اب نہیں ہوتا؟
اویس:۔ پھر کیا کرنا چاہیئے؟
مغیرہ:۔ یہی تو میں بھی دریافت کرتی ہوں۔
اویس:۔ انتظار کرو۔ جب تک اللہ کوئی صورت پیدا کرے۔
مغیرہ:۔ میں اس عقیدہ کی آدمی نہیں ہوں۔
اویس:۔ تو پھر۔
مغیرہ:۔ اگر حسبِ دلخواہ میسر آئے تو خیر ورنہ جو ملے۔
اویس:۔ لاحول ولا قوۃ۔
مغیرہ:۔ کیوں؟
اویس:۔ تمہارا خیال لغو ہے کیا تم اولاد کی دشمن ہو کہ جو ملے۔
مغیرہ:۔ جو ملے کا مطلب نہیں سمجھے؟

اویس :۔ نہیں۔

مغیرہ :۔ بہتر سے بہتر جو میسر آ سکے۔

اویس :۔ وہ کون ہے ؟

مغیرہ :۔ یہی جمال۔

اویس :۔ میں تو پسند نہیں کرتا۔

مغیرہ :۔ اس سے بہتر بتاؤ۔

اویس :۔ کوئی نہیں۔

مغیرہ :۔ تو اس ہی میں سے انتخاب کرو!

اویس :۔ بروں میں اچھا ہونا کیوں کر ممکن ہے ؟

مغیرہ :۔ یہ تقدیر پر چھوڑ دو۔

اویس :۔ مگر کرو کیوں کر ؟

مغیرہ :۔ اس لئے کہ حد ہو چکی۔

اویس :۔ کیا ہو چکی ؟

مغیرہ :۔ یہی عمریں ہیں اس کے بعد کچھ نہیں۔

اویس :۔ میری رائے میں ابھی گنجائش ہے۔

مغیرہ :۔ نہیں اب نہیں ہے۔

اویس :۔ پھر۔

مغیرہ :۔ بڑی کا تو کم از کم فکر کرو۔

اویس :۔ دونوں کا ساتھ کیوں نہیں ؟

مغیرہ :۔ اس لئے کہ ایک ہی کے لالے ہیں۔

اویس :۔ تو بتاؤ کہاں ؟

مغیرہ :- ایک دفعہ تو کہہ چکی اور کیوں کر کہوں ؟
اویس :- وہی جمال ؟
مغیرہ :- ہاں -
اویس :- وہ تو کچھ نہیں -
مغیرہ :- اس سے بہتر اور موجود نہیں -
اویس :- اگر تمھاری رائے میں انتظار نہ کرنا چاہیئے اور جس طرح بھی ہو یہ کام کرنا ضروری ہے اور مطلق گنجائش نہیں - تو بسم اللہ کرو - میں تمھارے ساتھ ہوں لیکن یہ تمھاری ذمہ داری ہے کہ اب انتظار کی قطعاً گنجائش نہیں - تم جانتی ہو جمال صاحب جائداد تو ضرور ہے - مگر اس کے خیالات بلند نہیں - اگر میرا تجربہ غلط نہیں تو اس کے مزاج میں کچھ چھچھور پن ہے اور میں نے اس کو سال ڈیڑھ سال سے دیکھا بھی نہیں - اگر اس عرصہ میں اس کی حالت میں کوئی تغیر ہو گیا ہو تو مجھے خبر نہیں - تم کو اس کے اس زمانے کے حالات معلوم ہیں - وہ تمھارا عزیز ہے - تم میرے مقابلے میں اُس سے زیادہ باخبر ہو -
مغیرہ :- ہاں پچھلے مہینے جب میں بڑی اماں کے ہاں گئی ہوں تو اُس کو دیکھا تھا - اب تو بہت انسان ہو گیا ہے - فقط اتنی بات ہے کہ اس کے خیالات وہی پُرانے ہیں - پردہ کا زیادہ پابند معلوم ہوتا ہے - میں نے اس سے باتیں بھی کیں اس کے خیالات دقیانوسی ہیں - مگر غریب ، فرمانبردار اور نیک معلوم ہوتا ہے میں نے تو یہ سوچا ہے کہ جائداد باپ کی زندگی میں تو بے سُود ہے اور جو کچھ کرایہ ہے وہ اماں باوا کا - اُس کو کیا - غریب لڑکا ہے - ہمارے ہاں رہ پڑیگا -
اویس :- تم اچھی طرح سوچ لو - یہ معاملات قیاس پر طے نہیں ہوتے - خوب اچھی طرح اطمینان کرنا چاہیئے - ایسا نہ ہو پھر پچھتانا پڑے -

مغیرہ:- نہیں یہ تو مجھے یقین کامل ہے کہ وہ ہمارے سامنے کچھ بھی بول نہیں سکتا۔ ہمارے
ہاں رہے گا۔ البتہ ایک بات کا مجھے خیال ہے۔

اویس:- وہ کیا؟

مغیرہ:- ذرا خاموش ہے۔ کہیں گُھنّا نہ ہو۔

اویس:- اس کا تم خود ہی اطمینان کرو۔

مغیرہ:- نہیں گُھنّا کیا ہوگا۔ میرا وہم ہی وہم ہے۔

اویس:- تم سے درخواست کس نے کی؟

مغیرہ:- اس کی ماں نے اور بڑی بہن نے۔

اویس:- میں تو اپنی رائے دے چکا اور میری رائے میں صرف اس حالت میں جس کی ذمہ دار تم ہو کہ اب تاخیر کی گنجائش نہیں تم نکاح کر سکتی ہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ بس تو بسم اللہ کرو۔

مغیرہ:- آج اُس کے ہاں سے عورت آئی تھی۔ میں وہاں سے آ کر تم سے ذکر کرنا بھول گئی۔ آج میں نے کہا ہے کہ پرسوں آنا۔

اویس:- پرسوں معاملہ طے کر لو۔

مغیرہ:- اقرار نامہ وغیرہ بتا دو۔

اویس:- شریف مسلمانوں میں اقرار نامہ فضول ہے۔ جو لوگ اپنی زبان کا پاس نہیں کرتے وہ تحریر کا کیا کریں گے۔ جب تم طے کر چکیں تو اب بسم اللہ۔ ہاں ایک بات اور ہے۔

مغیرہ:- وہ کیا؟

اویس:- مناسب ہوگا کہ تم شمس کا عندیہ بھی معلوم کر لو۔

مغیرہ:- نہیں وہ بچہ نادان کیا رائے دے گی۔

اویس :- یہ سب کچھ سہی مگر شرعی احکام پورے کرنے ضروری ہیں۔ مجھے جہاں تک معلوم ہے، دونوں ساتھ رہے ہیں اور ایک دوسرے کو نہ صرف دیکھ چکے ہیں بلکہ عادات وخصائل سے واقف ہیں۔

مغیرہ :- ذکر تو وہ سُن چکی ہے اور اس کے کان میں بھنک پڑی ہوئی ہے۔

اویس :- یہ دوسری بات ہے۔ تم اس کی مرضی معلوم کرو۔

مغیرہ :- خیر اس کی بھی ذمّہ دار ہوں کہ اسے انکار نہیں۔

اویس :- دیکھو میں پھر تم کو ایک دفعہ تمھاری ذمّہ داری پر اور متوجہ کرتا ہوں۔ اچھی طرح غور کر لو۔ یہ معمولی باتیں نہیں۔ زندگیوں کے سودے ہیں۔ میں جمال کو صرف اس لئے پسند کرتا ہوں کہ تم کہتی ہو اب تاخیر کی مطلق گنجائش نہیں تم بہر حال کسی خاص وجہ سے اس نتیجہ پر پہنچی ہو۔ میری رائے میں اس مجبوری کے سوا جس پر تم نے مجھ کو لا ڈالا باپ کے واسطے ضروری نہیں کہ وہ آنکھ بند کرکے بیوی سے متفق ہو جائے۔ شمس کی پریشانی کا تمام بار اگر خدانخواستہ کوئی بات ہوئی یاد رکھو تمھارے سر پر ہوگا۔ اب صرف ایک مسئلہ رہ جاتا ہے اور وہ جہیز کا۔

مغیرہ :- وہ کیا؟

اویس :- جہیز تم کو صرف وہ دینا چاہیئے۔ جو تمھارے ملک کا بنا ہوا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ فقط گاڑھا اور کھدر دو۔ بلکہ وہ دو جو تمھارے اپنے ہاتھوں کا یعنی تمھارے وطن کا تیار کیا ہوا ہے۔

مغیرہ :- تو پھر چرخہ بھی دو۔

اویس :- تم کیسی لغو باتیں کر رہی ہو۔ تم چرخہ پر ہنسیں طعن سے کہا۔ مگر تم کو معلوم نہیں کہ بی بی فاطمہ رضؓ کے جہیز میں چکی تھی۔

مغیرہ :۔ ہاں یہ تو تم نے درست کہا مگر لوگ ہنسیں گے۔
اویس :۔ لوگوں کی ہنسی کی مطلق پروا نہ کرو۔ تم کو جو کچھ دینا ہے نقد دو تاکہ کسی کو یہ بدگمانی نہ ہو کہ بچت کی صورت نکالی۔ مگر وہ دو ہی جو اپنا تیار کیا ہو۔
مغیرہ :۔ برتن تو ہمارے ہی ہیں۔
اویس :۔ ہاں تانبے پیتل کے برتن شوق سے دو۔
مغیرہ :۔ چھپر کھٹ مسہریاں؟
اویس :۔ شوق سے مگر اپنی بنی ہوئیں۔
مغیرہ :۔ سب آدمی ہنسیں گے۔
اویس :۔ جہاں کچھ آدمی ہنسیں گے۔ وہاں چند آدمی ایسے بھی ہوں گے کہ تمھاری اس ابتدائی نقل کریں گے اور علاوہ ازیں نہ تم کو کسی کی ہنسی سے واسطہ نہ اعتراض سے۔ تم کو وہ کرنا چاہیئے جو تمھارا ایمان کہہ رہا ہے۔ اگر تم کو اس سے اتفاق ہے۔ اگر تم کو موافقت ہے تو ضرور کرو اور دیکھو کہ یہ تمھارے ملک کیلئے مفید ہے یا نہیں۔ میں متعصب آدمی نہیں ہوں اور میرا عقیدہ ہے کہ غیر مسلم قابلِ نفریں نہیں۔ ہر قوم میں کچھ اچھے اور بُرے آدمی ہوتے ہیں اور ہر شخص میں کچھ خوبیاں اور کچھ برائیاں ہوتی ہیں۔ میں اندھا دھند تقلید فعل عبث سمجھتا ہوں۔ لیکن یہ ایسا فعل ہے جس کو میں ملک کے واسطے بہت مفید خیال کرتا ہوں۔ نہ کہ کسی کی تقلید پر کمربستہ ہوں۔
مغیرہ :۔ بات ٹھیک ہے مگر میں پہل کرنا نہیں چاہتی۔
اویس :۔ بس تو تم ایک کام کرو۔ تم کو جو کچھ غیر ملکی صنعت پر صرف کرنا ہے وہ نقد دو۔ اور شمس کو اختیار دو کہ وہ اپنی پسند اور خوشی سے جو چاہے خریدے اور جس میں چاہے صرف کرے۔

مغیرہ :۔ لوگ تو سمجھیں گے کچھ نہیں دیا۔

اویس :۔ تم اس کا اعلان کر دو۔

مغیرہ :۔ تم کو معلوم ہے میری ملنے والیاں ہندو بیبیاں بھی ہیں، انگریز بھی اور خود اُس کی اُستانیاں مشنری ہیں۔ ان کو گھر پر بلا کر اُن کی توہین کرنی ہے کہ صرف دیسی اشیا دی جائیں۔

اویس :۔ تمھارا خیال غلط ہے جو معقول انگریز ہیں وہ اس سے ہرگز ناخوش نہ ہوں گے۔ ہم اپنے ملک کی خدمت کرنی چاہتے ہیں۔ میں بھی یہی کہہ رہا ہوں اور بحث کے اس حصّہ پر زور دیتا ہوں۔ تمھاری مشنری بہنوں میں سے مجھے تو اُمید نہیں کہ کوئی اس قدر متعصب ہوگی کہ اس خیال کو نفرت کی نگاہ سے دیکھے گی۔

مغیرہ :۔ میری ایک موقع پر مس ہاربرٹ سے گفتگو ہوئی۔ انھوں نے خود مجھ کو چھیڑا اور جہاں تک میں نے اُن کا اندازہ کیا۔ وہ اس تجویز کو دیکھ کر خوش نہ ہوئیں۔

اویس :۔ تم ان کو یا کسی ایسے شخص کو خواہ مرد ہو یا عورت اور مسلم ہو یا غیر مسلم ہرگز نہ بلاؤ۔

مغیرہ :۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ شاگرد کی شادی اور اُستانی شریک نہ ہو۔

اویس :۔ ان حالات میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مغیرہ :۔ میرے خیال میں تو حرج ہے۔

اویس :۔ گفتگو سے طے کر دو۔

مغیرہ :۔ کچھ ایسا دو کچھ ویسا۔

اویس :۔ مطلق نہیں۔

مغیرہ :۔ تو اس طرح اعلان کر دو کہ سب سنیں۔

شادی سے تین روز پہلے کا ذکر ہے۔ شمس اپنے چھوٹے بھائی کو لیے تنہا کوٹھے پر بیٹھی تھی۔ مختلف قسم کے جذبات اس کے دل میں لہریں لے رہے تھے اور ایک خاص خیال جو رہ رہ کر اُس کو اُس وقت تکلیف دے رہا تھا۔ میکے کا فراق تھا۔ اُس نے بھائی کو گود میں اٹھایا پیار کیا اور کہنے لگی " بھیا! اب ہم کہاں اور تو کہاں۔ زندگی ہے تو پھر ملیں گے۔ نہیں تو تیری صورت کو ترسیں گے۔ میرے بھیا کی آواز کانوں میں نہ آوے گی۔ میں نے نگوڑے کو اُس دن زور سے تھپیڑ مارا اور چٹکی لی۔ بلک کر چپکا ہوگیا۔ اماں جان سُن لیتیں تو آفت ہی برپا کر دیتیں "

شمس بھائی کو بھینچ بھینچ کر گلے لگا رہی تھی۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے تھے اور گو اس کو شادی کی ایک خاص خوشی تھی۔ جو اُس کے چہرے سے اُس کی باتوں سے اس کی حالت سے ظاہر ہو چکی تھی۔ پھر بھی اس وقت اس پر عزیزوں کی مفارقت کا اثر اس قدر غالب تھا کہ وہ سب کچھ بھول گئی تھی۔ بھائی کو پیار کر کے نیچے بٹھایا اور کُرتے کے گھیر میں مصروف ہوئی۔ نیچے سے ماما نے آکر اپنے بچے سے کہا۔ لے چھوٹے میاں سے کھیل۔ ماما یہ کہہ کر چلی گئی۔ یہ دونوں برابر کے بچے کھیلنے لگے شمس کا بھائی تین برس کے قریب اور ماما کا بچہ بھی اتنا ہی بڑا ہوگا۔ دیر تک چھت پر بیٹھے کھیلا کئے۔ ایک مٹی کا ٹھیکرا ماما کے بچے کے ہاتھ میں تھا۔ شمس کے بھائی نے ضد کی۔ ماما والا ابھی بچہ تھا۔ نہ دیا۔ شمس کے بھائی نے اُس کے تھپڑ مارنے کا ارادہ کیا۔ بلکہ ہاتھ بھی اُٹھالیا۔ مگر ابھی مارا نہ تھا کہ ماما والے نے ایک ٹکا ہی دیا۔ مارنے والے کی نگاہ میں کوئی امتیاز نہ تھا وہ یہ سمجھنے کے قابل نہ تھا کہ پٹنے والے میں کوئی ایسی برتری ہے کہ میرا یہ فعل ناجائز ہوگا۔ شمس بھی اگر اس فعل کو اسی نگاہ

سے دیکھتی تو معاملہ ختم تھا۔ شمس یہ دیکھ کر کہ ماما کے بچے نے میرے بھائی پر ہاتھ اٹھایا آپے سے باہر ہو گئی۔

ہم اس کج فہمی میں اکثر عورتوں کو مبتلا دیکھتے ہیں۔ ان کو سمجھنا چاہیئے کہ سزا کی غایت کیا ہے، وہ کس غرض سے دی جاتی ہے اور کیوں دی جاتی ہے۔ ہر جرم کا تعلق نیّت سے ہے۔ اگر کسی شخص کی ایک فعل میں نیّت صحیح ہو اور وہ فعل جرم ہو جائے تو فاعل اس لئے کہ نیت بخیر ہے۔ مجرم نہیں سمجھا جاتا۔ بعض دفعہ سزا کی غایت یہ بھی ہے کہ دوسروں کے واسطے عبرت ہو۔ پھانسی یا قتل وغیرہ اسی غایت کے تحت ہیں۔ ورنہ فاعل پھانسی پانے کے بعد بجائے سزا بھگتنے کے مرجاتا ہے اور یہ نہیں سمجھ سکتا کہ مجھ کو فلاں جرم کی پاداش میں یہ تکلیف بھگتنی پڑی ہے۔ مسلمان مسئلہ تناسخ میں بھی یہی عذر کرتے ہیں۔ ایک شخص مرنے کے بعد اگر اپنے اعمال کی پاداش میں ارذل المخلوق بنتا ہے اور گدھا بن کر طرح طرح کی مار اور بوجھ کی تکلیف اٹھاتا ہے تو یہ اواگون کا مسئلہ مسلمانوں کی رائے میں اس لئے درست نہیں رہتا کہ وہ یہ نہیں سمجھ سکتا کہ مجھے فلاں جرم میں مرنے کے بعد یہ سزا ملی کہ میں گدھا بن گیا۔ پس سزا کا منشاء ماما کے لڑکے کے واسطے پورا ہو ہی نہ سکتا تھا۔ اس کو یہ تمیز ہی نہ تھی کہ مجھ میں اور شمس کے بھائی میں فرق کیا ہے اور دنیا کے ظاہری حالات نے قمر اور شمس میں کوئی فرق کر دیا ہے۔ قدرت کے انعام میں دونوں مساوی تھے اور چونکہ ماما کا لڑکا اس سمجھ سے محروم تھا۔ اس لئے اس کا یہ فعل کہ وہ اپنا ٹھیکرا شمس کے بھائی کو نہ دینا چاہتا تھا۔ اس کو حق تھا کہ حریف کے تھپڑ کا جواب تھپڑ سے دے۔ لیکن افسوس شمس نے نخوت بے وقوفی اور ظلم سے کام لیا۔ اس نے فوراً اٹھ کر ماما کے بچے کے دونوں ہاتھ رسّی سے باندھ دیئے اور ایک چھوٹی سی لکڑی لے کر دو تین تو خود لگائیں اور پھر بھائی کے ہاتھ میں دی کہ مارو۔ بھائی تین ساڑھے تین برس کا تھا اول تو جلا ہوا

اور آپا کی شہ۔ بہت خوش ہوا۔ بہت ہنسا اور رہ رہ کر اس کے قمچیاں ماریں۔ کبھی منہ پر کبھی ہاتھ پر کبھی کمر پر مارتا اور ہنسکر قہقہہ لگاتا اور بہن کی طرف داد دینے کو دیکھتا تھا کہ حکم کی تعمیل کیسی بے چون وچرا کر رہا ہوں۔ ماما کا بچّہ پیٹ رہا تھا۔ رو رہا تھا اور جب کبھی آنکھ پر یا منہ پر قمچی پڑ جاتی تھی تو روتا ہوا اس توقع پر شمس کو دیکھتا کہ شاید میری حمایت کو بولے اور مجھ کو اس ظلم سے نجات دلائے۔ مگر شمس بجائے اس کے کہ رحم کی نظر سے دیکھتی۔ دانت پیس کر کہتی تھی: "چُپ رہ مردود تیری یہ ہستی کہ چھوٹے میاں پر ہاتھ اُٹھائے"۔ قریب قریب آدھا گھنٹہ اسی طرح گزرا ہوگا کہ قمر بھی ادھر آنکلی اور یہ رنگ دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ بھائی نے چھوٹی بہن سے داد لینے کو ایک قمچی تڑکا کے اور دی اور ہنس کر قمر کو دیکھا۔

قمر:۔ کیوں مارتا ہے خبردار اور یہ اس کے ہاتھ کس نے باندھے ہیں؟

شمس:۔ میں نے۔

قمر:۔ کیوں؟

شمس:۔ اس کی نالائقی پر۔

قمر:۔ وہ کیا؟

شمس:۔ اس نے فضل پر ہاتھ اٹھایا۔

قمر:۔ اُس کی سزا مل رہی ہے؟

شمس:۔ ہاں۔

قمر:۔ اس کا نتیجہ؟

شمس:۔ آئندہ ایسی ہمت نہ کرے گا۔

قمر:۔ کیا یہ ضروری ہے کہ اس کی ہمّت پست کر دی جائے؟

شمس:۔ بے شک۔

قمر :۔ اس لئے کہ غریب ہے ؟

شمس :۔ تم کیسی اُلٹی باتیں کیا کرتی ہو۔ یہ ماما کا لڑکا اس کی یہ مجال کہ ہم پر ہاتھ اُٹھائے اس کے ہاتھ توڑ نہ دوں۔

قمر :۔ اُس نے خواہ مخواہ ہاتھ اٹھایا؟

شمس :۔ خواہ مخواہ کیوں اُٹھاتا۔

قمر :۔ پھر کیا ہوا تھا؟

شمس :۔ تم کون ہو؟

قمر :۔ کوئی نہیں۔ اس کی وجہ معلوم کرنی چاہتی ہوں۔

شمس :۔ ٹھیکرے پر لڑائی ہوئی تھی۔

قمر :۔ اچھا اس کا کیا قصور ہے؟

شمس :۔ اس نے ٹھیکرا کیوں نہ دیا۔

قمر :۔ اس کا مال تھا۔

شمس :۔ ٹھیکرا ہمارا۔ گھر ہمارا۔ یہ کہاں سے لایا؟

قمر :۔ یہ اتنا نہیں سمجھ سکتا۔

شمس :۔ اسی واسطے پٹ رہا ہے۔

قمر :۔ قصور اس کا نہیں۔

شمس :۔ پھر کس کا ہے ؟

قمر :۔ قدرت کا۔

شمس قمر تم فضول باتیں نہ کیا کرو۔

قمر :۔ ہائے آپا تمھارے دل کو کیا ہوگیا ہے تم نے تو علم کو بھی بدنام کیا۔ رحم۔ تہذیب۔ خلق انسانیت۔ ہر چیز سے ہزاروں کوس دور ہو۔ تم نے

کمال کیا کہ اس معصوم بے گناہ بچے کو یہ سنگین سزا دی۔ تم نے یہ سوچا ہوتا کہ آخر اس کا قصور کیا ہے؟ یہی ناکہ وہ نہیں سمجھ سکتا کہ میں اور یہ حاکم اور محکوم ہیں یا یہ کہو کہ ظالم اور مظلوم ہیں۔ تم نے اس کے ہاتھ باندھ کر اس کو پٹوایا۔ صرف اس لئے کہ اس نے تمھارے بھائی کو اپنا ٹھیکرہ نہیں دیا۔ کیا تمھارے بھائی میں کچھ ایسے لال لگے ہوئے ہیں کہ ساری دنیا اُس کی ضد پر سر جھکا دے۔ وہ اگر کل کو یہ کہے گا کہ آسمان کے تارے توڑ دو تو غالباً تم کو عذر نہ ہوگا۔ کیا تم ہوا میں بھی یہ انتظام کر سکتی ہو کہ ماما کا لڑکا پیچھے کھائے اور پہلے تمھارا بھائی؟ آپا بہت افسوس کی بات ہے۔ خدا کی نعمتیں سب کے واسطے برابر ہیں۔ تمھارے بھائی کے تین ہاتھ ہیں! تین ٹانگیں ہیں یا چار آنکھیں ہیں! جسم اور جسم کے اعضا تمھارے بھائی اور ماما کے لڑکے کے یکساں ہیں اور اب بھی قدرت نے بقاء زندگی کے لئے جو اسباب فراہم کئے ہیں اُن سے دونوں برابر کا فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ پیاری آپا زندگی اور موت دونوں کے واسطے ہے۔ کیا تم کسی امیر مُردے کو زندہ کر سکتی ہو اور غریب زندہ کو اس کے بدلے مُردہ۔ یہ سبق لینے کا وقت ہے کہ تم ایک مظلوم اور بے کس پر ایسے ظلم توڑ رہی ہو۔ خدا بدل نہیں کرتا تھا۔ اُس کی ماں دیکھے تو کیا کرے اور اگر تم کو اس کی پروا نہ ہو تو خود تمھارا ایمان بھی تو ایک چیز ہے۔ کیا وہ اس کو روا رکھتا ہے کہ تم ایک نادان بچے کو جو غریب ہے۔ صرف اس جرم پر کہ وہ اپنا مال امیر کو نہیں دیتا۔ گرفتار کرتی اور سزا دیتی ہو۔ مجھ کو معاف کرنا اگر میں یہ کہوں ہم کو شادی بھی ایک قسم کی موت سمجھنی چاہیے۔ اگر قطعی نہیں تو قریب قریب۔ اس زندگی کے تعلقات منقطع نہیں تو قریب قریب منقطع کر دیتی ہے اور جس طرح زندگی میں آدمی کے نیک اعمال اس کے بعد زندہ رہنے والوں کو یاد آتے ہیں۔ اسی طرح لڑکیوں کی وداع کے بعد اُن کی اچھی باتیں عزیزوں پڑوسیوں کو خون کے آنسو رُلاتی ہیں۔ مجھے حق نہیں کہ

سمجھاؤں۔ عمر میں چھوٹی ہوں۔ مگر سچ کہتی ہوں تم اس دہلیز پر ہمیشہ نہ رہو گی اور یہ ماما اور اُس کا بچّہ تم سے واسطہ نہ رکھیں گے۔ البتہ تمھارے رخصت ہو جانے کے بعد جس طرح اس وقت میرے ہاتھ کھولنے اس بچّہ کو یاد رہیں گے۔ اسی طرح تمھارے باندھنے۔ تم اگر اس کی پروا نہ کرو تو کوئی نہ کچھ کہہ سکتا ہے نہ کر سکتا۔ بہت سے آدمی ہیں جو اس دنیا میں بڑے بڑے گناہ کرتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ وہ اپنے بعد کیا چھوڑ رہے ہیں۔ میں حق نہیں رکھتی کہ تم سے یہ سوال کروں کہ تم کیا چھوڑ رہی ہو۔ مگر شاید یہ کہوں تو غلط نہیں کہ کچھ کام ایسے چھوڑتی جاؤ کہ جب امّاں جان اور ابّا جان اپنی ماتا سے مجبور ہو کر تمھاری یاد میں تڑپیں تو کوئی غیر بھی سچّے دل سے اُن کا ہمنوا ہو۔ گوار بیتہ کا بڑا حصّہ ختم کر چکیں۔ برس گزر لیے مہینے گزرے دن گزرے اب کچھ گھنٹے باقی ہیں۔ شمس آپا پرسوں جس دہلیز سے رخصت ہونے والی ہو آج اُس پر اتنا بڑا ستم توڑ چلیں۔ خدا سے ڈرو اور ان چند گھنٹوں میں وہ بیج بو لو جو عمر بھر میکے میں ایسے پھول کھلائیں۔ جن کی مہک تمام شہر کو معطّر کر دے۔

(۱۵)

شادی سے ایک روز قبل قوم کی مشہور فاضلہ امتہ الحسین بیگم کی شہر میں تقریر تھی۔ گو مغیرہ اس قدر مصروف تھی کہ اُس کا جانا بہت مشکل تھا۔ مگر چونکہ وہ بھی اس قسم کے جلسوں میں خصوصیت کے ساتھ حصّہ لیتی تھی۔ اس لئے کارکن بیویوں نے اُسے مجبور کیا اور یہ طے کر دیا کہ اگر کچھ کام نہ کر سکو تو شرکت ضرور کرو۔ چنانچہ وقت مقررہ پر مغیرہ پہنچ گئی اور مقرّرہ نے اپنا خطبہ اس طرح شروع کیا:۔

"میں اُردو الفاظ میں انگریزی کا استعمال بہت ہی بُرا سمجھتی ہوں اور مجھے

تعجب ہوتا ہے کہ کس بیباکی سے اُردو داں حضرات اپنی قابلیت کا اظہار کرنے کے واسطے انگریزی لفظ استعمال کرتے ہیں۔ خیر یہ رونا تو عرصہ سے تھا اور رہے گا۔ اب ایک اور مصیبت آگئی ہے کہ مسلمان اہل قلم میں وہ لوگ جو اُردو نہیں جانتے یا لکھ پڑھ نہیں سکتے۔ ایک خاص قسم کی اُردو لکھ رہے ہیں جن میں فارسی اور عربی کے الفاظ انگریزی ترکیب سے استعمال ہو رہے ہیں۔ خیر یہ علیحدہ بحث ہے۔ میں آج آپ سب بہنوں سے آپ کی وضع قطع یا طریقہ پر بحث کروں گی۔ جس کو آپ سب فیشن کہتے ہیں اور جو بدقسمتی سے اس قدر عام ہو گیا ہے کہ ہمارے لکھنے پڑھنے کھانے پینے، رہنے سہنے، سونے جاگنے میں اس کا اثر ظاہر ہے اور ہم اس کے اس قدر محتاج ہو گئے ہیں کہ اگر میں یہ کہوں تو غلط نہیں کہ بغیر اس کے زندگی ناممکن ہے اگر ہم اپنی قابلیت سے کوئی خاص وضع یا چند طریقے مقرر کر لیں اور وہ پسندیدہ اور ہماری اپنی دماغی کوشش کا نتیجہ ہوں تو اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے لیکن اگر وہ محض دوسروں کی اندھی تقلید ہے تو قابلِ تعریف نہیں۔

مجھے اُمید ہے کہ مسلم خواتین جنھوں نے آج اس جلسہ میں تشریف لاکر مجھے ممنون فرمایا۔ اس مسئلہ پر غور فرما کر جواب دیں گی اور سوچیں گی کہ کیا اُن کے مقدّس مذہب کا یہی حکم ہے کہ وہ اپنی تمام خوبیوں کو چھوڑ کر دوسروں کے طریقے اختیار کریں۔ اگر آج آپ کا اپنا کوئی لباس ہوتا تو کس قدر فخر کی بات تھی لیکن افسوس اس وقت جس قدر بیویاں میرے سامنے موجود ہیں۔ وہ مختلف رنگوں میں رنگی ہوئی ہیں۔ البتہ ایک تقلید غیر جس کا وہ آج کل کلمہ پڑھتی ہیں۔ ان کے قدم قدم سے ظاہر ہو رہی ہے۔ کیا وقت کا تقاضہ یہ نہیں ہے کہ مسلمان عورتیں اب بھی اپنے افعال پر تائب ہوں وہ سب کچھ کھو کر اب صرف بھیک مانگنے کے قابل ہیں۔ اگر اب بھی وہ جاگنا نہیں چاہتیں تو سوئیں اور سوتی رہیں۔ اس سے بدتر

حالت کا اگر کوئی امکان ہے تو وہ بھی آجائے گی۔

کیا آپ لوگوں کو اس سے انکار ہے کہ اسلام کی ترقی میں عورتوں نے بھی ہمیشہ حصّہ لیا اور وہ کسی میدان میں مردوں سے کم نہیں رہیں۔ یہ اُن ہی کی سعیٔ و کوشش کا نتیجہ تھا کہ اسلام معراجِ کمال تک پہنچا۔ انھوں نے اپنا عیش و آرام۔ اپنی اولاد۔ اپنا گھر۔ ہر بھاری سے بھاری تماشے اپنے مذہب پر قربان کی۔ اور دنیا کو دکھا دیا کہ مسلمان عورت تاریخ میں کیا جگہ رکھتی ہے۔ کیا ہماری جیسی بدبخت عورتیں بھی اس قابل ہیں کہ ہمارے بعد تاریخ ہمارا نام لے؟ ہاں ہیں اور تاریخ ہم کو فراموش نہیں کر سکتی۔ کس چیز کو؟ ہماری لامذہبی کو! ہماری عداوت کو جو ہمیں احکام اسلام سے ہے! ہماری دشمنی کو جو ہم نے اسلام سے برتی! کیا آپ بیویاں کہہ سکتی ہیں کہ آپ میں سے کتنی روزہ نماز کی پابند ہیں؟ میں دیکھتی ہوں کہ آپ زیور میں لدی ہوئی ہیں۔ مگر کیا یہ سوال کر سکتی ہوں کہ اس زیور کی زکوٰۃ ادا ہوتی رہتی ہے؟ آپ اپنے زرین اصول ہاتھ سے نہ جانے دیجیے۔ جو کچھ ہو گیا اس پر خاک ڈال کر اب بھی مسلمان بننے کی کوشش کیجیے کہ جس طرح آپ کی معزز بہنوں کے نام تاریخ میں جگمگا رہے ہیں۔ آپ کے نام بھی اُن کے برابر ہوں۔

میری عزیز بہنوں! یہ اسلام کے واسطے نہایت نازک وقت ہے اور ہم اگر اس وقت بھی اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے تو یہ یقین رکھئے خدا اپنا وعدہ پورا کرے گا اور وہ اس کا محافظ ہے لیکن ہم اپنے اعمال و افعال سے اپنی زندگیوں کے دامن پر وہ بدنما داغ چھوڑ جائیں گے جس کو دیکھ کر غیر نہیں ہماری اپنی نسلیں ہم پر لعنت بھیجیں گی۔ موت دُور نہیں اور کون کہہ سکتا ہے کہ اس کے آنے میں کتنی دیر ہے۔ اس لئے اس مہلت کو غنیمت سمجھو اور اسلام کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کر دو۔“

(۱۶)

شمس کی شادی کے موقع پر جب تمام مہمان جمع تھے۔ مغیرہ نے معمولی اشیاء دیگر دو ہزار کے نوٹ دولہا کو دیئے اور پانچ ہزار کے دلہن کو اور کہا کہ بجائے اس کے کہ یہ روپیہ تکلفات میں ضائع ہوتا میں نقد اس واسطے دیتی ہوں کہ تم دونوں کو اختیار رہے جس طرح چاہو اس روپے کو صرف کرو۔

خیال یہ تھا کہ شمس کو وداع کرنے کے بعد مغیرہ ایک بڑے فرض سے سبکدوش ہو کر مطمئن ہو جائے گی۔ مگر توقع بالکل غلط نکلی۔ شمس کا شوہر جمال نکاح سے ایک روز قبل ہی کلکتہ میں سو روپے ماہوار کا ملازم ہو چکا تھا اور بمشکل چار روز کی رخصت ملی تھی۔ نکاح کے دوسرے ہی روز سے بیوی کو ساتھ لے جانے کی خواہش ظاہر کی۔ مغیرہ کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آئی تھی کہ اس قدر جلد شمس اس سے جدا ہو جائے گی۔ سن کر دنگ رہ گئی مگر جب شمس نے ہی اپنا اسباب باندھ لیا اور جانے کے واسطے تیار ہو گئی تو مجبوراً خاموش ہو جانا پڑا۔ اویس نے قصد کیا بھی کہ معاملہ میں داخل دے۔ اور شمس کو روکے۔ مگر مغیرہ نے منع کر دیا اور تیسرے روز شمس کلکتہ روانہ ہو گئی۔

کچھ غصے سے جل بھن کر کچھ حالات سے متاثر ہو کر کچھ ضرورت سے مجبور ہو کر مغیرہ نے شمس کو خود روکا نہ شوہر کو روکنے دیا۔ ورنہ اس صورت میں کہ پہلے سے یہ گمان بھی نہ تھا۔ اگر اویس چاہتا تو چند روز کے واسطے شمس اور رہ جاتی نتیجہ یہ ہوا کہ بظاہر تو جمال اور شمس دونوں میاں بیوی ہنسی خوشی اویس اور مغیرہ نے رخصت کر دیئے لیکن شمس کا آنکھ سے اوجھل ہونا تھا کہ مغیرہ کی طبیعت بگڑ گئی۔ اور کچھ انوکھی بات نہ تھی۔ مگر اس معاملہ میں رنج و افسوس کے ایک حیرت تھی ایک

اچنبھا تھا جو رہ رہ کر مغیرہ کو پریشان کر رہا تھا اور وہ شمس کی جسارت تھی۔ ہمّت تھی۔ بے وفائی تھی۔ لاپروائی تھی۔ غرض جو کچھ بھی تھا ایک دو ہی دن میں طوطے کی طرح دیدے بدل گئی اور میکے سے ایسی فرنٹ ہوگئی گویا کوئی واسطہ ہی نہ تھا۔ ضرورت یہ تھی کہ سب سے پہلے جمال والدین سے تذکرہ کرتا۔ وہ اگر بیٹے کی ضرورت سے واقعی مجبور تھے اور چارہ نہ تھا تو مغیرہ اور اویس سے درخواست کرتے۔ اگر کسی وجہ سے یہ محال تھا مشکل تھا، نامناسب تھا تو جمال خود مغیرہ یا اویس دونوں میں سے ایک سے خواہش کرتا اور یہ بھی اگر کسی مصلحت سے نامناسب تھا تو بیوی سے کہتا کہ وہ مغیرہ کو موقعہ دیکھ کر سمجھاتی اور ماں اپنے طور پر اویس کو رضا مند کر لیتی۔ ناک پکڑی جاتی تھی ادھر سے یا اُدھر سے نتیجہ وہی تھا دونوں میاں بیوی جب بھی جاتے اور اب بھی گئے۔ کون روکتا اور کیوں روکتا۔ بیٹی دینی تھی دے دی۔ پرائے مال پر زور کس کا تھا۔ نکاح کا منشا یہی تھا کہ دونوں میاں بیوی خوش رہیں اور ماں باپ ہاتھ جھاڑ کر ہو بیٹھیں۔ مگر انسانیت بھی ایک چیز ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ جو شخص آج داماد بن رہا ہے گو اس کے سامنے ناز برداری کو ماں باپ موجود ہیں وہ جس قدر ناز کرے کر سکتا ہے۔ مگر اس کی تہ میں کچھ اور بھی ہے اس راز میں قدرت کچھ اور دکھا رہی ہے۔ چشم بینا ہو تو دکھائی دے۔ ورنہ آنکھوں کے اندھے۔

وہ شخص جو آج داماد کی حیثیت سے دو بڈھوں کے سامنے آتا ہے۔ اُس کو دور اندیشی کی عینک سے دیکھ لینا چاہیئے کہ مجھ کو بظاہر دنیا نے داماد بنا دیا مگر حقیقتاً میں داماد بنا ہوں خسر ہونے کے واسطے اور جو کچھ آج میں ان بڑوں کے ساتھ کر رہا ہوں وہ اس لیے کہ زندگی یہی دن مجھ کو دکھائے اور جب میرے سیاہ بال سفید ہو جائیں تو ایک سیاہ بالوں والا شخص یہی میرے ساتھ کرے۔ شمس کو جمال کے ساتھ جانے سے ماں روکتی نہ باپ مگر شمس کو سمجھنا چاہیئے تھا کہ آخر اس بدنصیب ماں

کا بھی کچھ حق ہے۔ جس نے اتنے عرصہ تک میرے ساتھ جان لڑائی۔ یہ صحیح ہے کہ وہ روک نہیں سکتی اور روکنا اس کا مقصد بھی نہ تھا مگر فرق اتنا تھا کہ کھانا موجود ہے مہمان سے چاہے یوں کہو کہ "تناول فرمایئے" چاہے یہ کہ "نگل لو" شمس اگر انسانیت سے کام لیتی تو سانپ مرتا نہ لاٹھی ٹوٹتی۔ جاتی ہزاروں میں جاتی لیجاتی ضرور جاتی۔ دوسرے اور تیسرے روز۔ کیسا آتی روز جاتی۔ نکاح ہوتے ہی جاتی لیکن اس طرح کہ ماں اور باپ دونوں ہنسی اور خوشی بھیجتے اور اس طرح بھیجتے کہ بھیجنے کا بار اُن ہی کے سر رہتا۔ یہ شمس کی خودسری تھی کہ دونوں اماں باوا کو رنجیدہ کیا اور میاں کے ساتھ چل دی۔

(۱۷)

شمس کے روانہ ہوتے ہی مغیرہ کی حالت میں اس قدر انقلاب ہوا کہ اویس بھی پریشان ہوگیا۔ وہ ہر وقت پریشان رہتی اور سوا اس کے کہ اس کی یاد میں مستغرق رہتی کوئی اور کام نہ تھا۔ اُس کے سامان کو اس کی چیزوں کو اس کے اسباب کو دیکھتی اور روتی۔ گھر کے کسی کام کاج سے، شوہر کی کسی ضرورت سے، بچوں کے کسی معاملے سے اُس کو واسطہ ہی نہ تھا۔ صرف ایک شام کا جانا، وہ بھی اس لئے کہ ذرا کلب میں جاکر دل بہل جاتا۔ باقی رہ گیا تھا۔ اس موقع پر اگر قمر موجود نہ ہوتی تو گھر کی وہ مٹی پلید ہوتی کہ اویس بھی عمر بھر یاد کرتا۔ چار دن میں گھر کا گھروا ہوجاتا۔ مگر اب گھر والی مغیرہ نہیں قمر تھی۔ اور اس نے اویس کے تمام کام اپنے ہاتھ میں لے کر اس خوبی سے انتظام کیا کہ اویس کو بھی تعجب ہوگیا۔ بہت سی باتیں تھیں اور ایسی تھیں کہ اویس بیوی کے دور میں بھی اُن کے متعلق اکثر تکلیف اُٹھاتا رہتا تھا۔ مثلاً بچہ کا دودھ ہی تھا کہ شام کے کھانے کے وقت شاید ہی کوئی ایسا

بھاگوان دن ہوتا ہوگا کہ وہ نہ روتا ہو اور اویس پریشان نہ ہوتا ہو۔ ماں کے اس چکّر میں پڑتے ہی قمر نے اس کو ہاتھ میں لیا اور یہ انتظام کر دیا کہ اس کی تمام ضرورتیں جن کی وجہ سے وہ روتا تھا۔ شام سے پہلے ہی پوری کر دیں۔ وہ عادی تھا مغرب کے وقت سے سونے کا۔ اور چاہتا تھا کہ کھانا کھا کر سوؤں۔ ماں نے کبھی اُس کی طرف دھیان ہی نہ کیا اور کھانا ہمیشہ رات کے نو اور دس بجے تیار ہوا یہ دو تین گھنٹے بچّہ کے رونے پیٹنے اور اوپر والوں کے حیران و پریشان ہونے میں بسر ہوتے۔ قمر نے پہلے ہی دن یہ انتظام کر دیا کہ مغرب کی اذان ہوتے ہی اُس کا کھانا تیار اور باپ کے آنے سے پہلے پلنگ پر لیٹا اور سویا۔

اسی قسم کی اور چند باتیں تھیں جن کی اگر اکثر نہیں تو کبھی کبھی اویس کو شکایت ہو جاتی تھی۔ وہ پان کثرت سے کھاتا تھا اور ایسا ہو جاتا تھا کہ وقت پر پان نہ ملے یا کتھا نہ لگا اور اس کو گھنٹہ آدھ گھنٹہ انتظار کرنا پڑا۔ اس سلسلہ میں مغیرہ قابلِ الزام نہیں۔ ایک اکیلے سر پر دُنیا بھر کی ذمہ داری تھی۔ گھر کا سنبھالنا جہاں چار پانچ بچّے تین چار نوکر ہوں۔ آسان کام نہ تھا اور یہی سبب تھا کہ بعض دفعہ کسی دوسرے کام میں پھنس کر مغیرہ ایک کام کو بھول جاتی تھی اور اویس کو تکلیف ہوتی تھی۔ ایک دفعہ تو کمال ہوا۔ چھ سات گھنٹے تک، اویس کو پان نصیب نہیں ہوا۔ دس بجے کا کھایا دو بج گئے۔ جب کتھا پک کر آیا تو ماما کے ہاتھ سے پتیلی چھوٹ گئی اور ایسی گری کہ رتی بھر نہ رہا۔ دوبارہ پکایا اور نتیجہ یہ ہوا کہ چار بجے کے قریب نصیب ہوا۔ قمر نے گھر سنبھالا تو اس طرح کہ سبحان اللہ جو کام تھا ڈھنگ کا اور جو بات تھی وہ قرینے کی۔

اویس بجائے اس کے کہ بیوی کے تغیّر سے متاثر ہوتا۔ اُس کی حالت پر ہنستا تھا۔ اس لئے کہ اس کو خود کوئی تکلیف محسوس نہ ہو رہی تھی۔ شمس کو گئے

ہوئے تین مہینہ ہوئے ہوں گے کہ جمال کا خط آیا۔ جس کا ایک حصّہ یہ تھا۔

"میں غریب آدمی ہوں۔ سوسوا سو روپیہ کی آمدنی۔ پردیس کا خرچ۔ ہر چند سمجھاتا ہوں مگر ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ ڈاکٹر کا مستقل خرچ ہے۔ دو ڈھائی روپے روز کا نسخہ۔ ساٹھ ستّر روپیہ تو یہی مٹی ہوگئے شام کی ہوا خوری اور پھر روز نئے جوڑے کی خواہش۔ کیا کروں کچھ عرض نہیں کرسکتا۔ ایک بیچاری بڑھیا خدا خدا کرکے ہاتھ آگئی ہے۔ جس کی وجہ سے پیٹ میں ٹکڑا بھی پڑجاتا ہے۔ سو وہ بھی بھاگوں بھاگوں کر رہی ہے۔ ہر وقت اس پر لوہا تیز ہے۔ بغیر فضیحتی کے بات ہی نہیں۔ آندھی ہو یا مینہ شام کا کلب کا پھیرا ناغہ نہ ہو۔ اور پھر آٹھویں دن سب کی دعوت اور ہوٹل کا کھانا فرمائیے کیا ہوگا؟ تین مہینہ کی تنخواہ پیشگی دے چکا ہوں اور پیسہ پاس نہیں۔ اس طرح تو ایک چھ ہی مہینہ میں میرا خاتمہ ہوجائے گا۔ میں نیا نوکر ہوں۔ چھٹّی نہیں مل سکتی کہ جس طرح لایا تھا اسی طرح پہنچادوں اور جو بچے وہ ہاتھ جوڑوں اور دوں اور آئندہ ساتھ لانے کے واسطے کان پکڑوں آپ ازراہِ شفقت مادرانہ اتنا کرم کیجئے کہ کسی معتبر شخص کو بھیج دیجئے کہ وہ آکر اُن کو اپنے ساتھ لے جائے اور میں اس مصیبت سے چھٹکارا پاکر خدا کا شکر ادا کروں۔

میں اُن کی قابلیت سے انکار نہیں کرتا۔ وہ ماشاءاللہ اُردو کیا انگریزی بھی خوب پڑھ لیتی ہیں۔ مضمون بھی لکھ سکتی ہیں اور آج چوتھا پانچواں روز ہے ایک جلسہ میں تقریر بھی خوب روانی سے کی۔ مگر میری تکلیف کوئی چیز بھی ان میں سے رفع نہیں کرسکتی۔ میری حیثیت اتنی

ہی ہے کہ میں ایک ماما نوکر رکھ لوں۔ بازار کا سودا سلف ماما کو فرصت ہوئی وہ لے آئی۔ مجھے وقت ملا میں لے آیا۔ وہ ایک ماما کو ایک بُھنگا سمجھیں۔ اوّل تو اُن کو چولھے کے پاس جانا قسم ہے۔ اور اگر جائیں بھی تو سیکڑوں باتیں بناتی ہوئی۔ مجھ کو اس علم اور تہذیب کی بجائے جہالت اور بد تہذیبی کی ضرورت تھی کہ وقت پہ پیٹ میں ٹکڑا تو پڑ جاتا تھا۔ میں تو مبارک سمجھتا ہوں وہ دن جب دونوں وقت پیٹ بھر کر اطمینان سے روٹی نصیب ہو جاتی تھی۔ پرسوں سر رشتہ دار صاحب کی ماما جو ہمارے پڑوس میں رہتی ہے رات کے وقت مچھلی لے کر آئی کہ سرکار شکار کو گئے تھے۔ سر رشتہ دار صاحب خود بھی بہت معقول آدمی ہیں اور ان کی بیوی بھی تربیت گاہ بنات دہلی کی تعلیم یافتہ ہیں۔ یہ محض اُن کی محبت تھی کہ انھوں نے دو مچھلیوں میں سے ایک خود رکھی اور ایک یہاں بھیج دی۔ وہ بھی اس لیے کہ میں نے سر رشتہ دار صاحب سے کہا تھا اب کے ہم کو بھی مچھلی بھجوائیے تو کانٹا گلا کر آپ کو کھلائیں۔ مجھے خبر نہ تھی کہ بیگم صاحب سر رشتہ دار کی بیوی کو بیس باتیں سُنا ڈالیں گی اور یہ کہیں گی کہ بھیجی تھی تو پکا کر بھیجی ہوتی۔ یہ رات کو اس لیے احسان رکھا کہ صبح تک سڑ جائے گی ادھر پہنچاؤ ہم کیا ردیہ خدیہ ہیں۔ اٹھاؤ مچھلی اور جا کر اُن ہی کے منہ پہ مارو جنھوں نے بھیجی ہے۔ ہم ایسے اُلّو نہیں۔ مختصر یہ کہ دن اور رات اسی طرح گزر رہے ہیں۔ کیا کیا لکھوں اور کیا کیا سناؤں۔ جس طرح آپ نے مجھ پہ رحم فرما کر غلامی میں قبول کیا۔ اب اُسی طرح کرم کیجئے اور اس تکلیف سے نجات دلوایئے۔

لیجیے میں یہ خط لکھ رہا تھا کہ معلوم ہوا کہ شہر کے ایک پنجابی سوداگر اپنی بیوی بچّوں سمیت وطن جا رہے ہیں۔ اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر میں آئندہ جمعرات کو ان کو بھی روانہ کر دوں گا۔ آپ ہفتہ کو رات کے دو بجے اسٹیشن پر اُتروا لیجیے۔"

خط پڑھ کر مغیرہ سنّاٹے میں رہ گئی اور میاں کو بلوا کر ایک ایک حرف سُ
اویس سُنتا جاتا تھا اور چہرے کا رنگ فق ہو رہا تھا۔ کبھی غصّے سے کانپنے لگتا
کبھی بے قابو ہو کر ٹہلنے لگتا تھا۔ مغیرہ خط ختم کر چکی تو ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور
کو الگ ڈال کر خاموش بیٹھ گئی۔ اس وقت اویس بھی خاموش تھا۔ پندرہ منٹ
قریب دونوں میاں بیوی قطعاً خاموش رہے۔ اس کے بعد اویس نے کہا۔

"اب کہو۔"

مغیرہ :۔ کیا خاک کہوں۔

اویس :۔ کیا سمجھیں ؟

مغیرہ :۔ جو لکھا ہے وہ سمجھی۔

اویس :۔ پھر اب ؟

مغیرہ :۔ تقدیر۔

اویس :۔ کس کی ؟

مغیرہ :۔ اُس کی اپنی۔

اویس :۔ اور ہمارا حشر ؟

مغیرہ :۔ جو خدا کی مرضی۔

اویس :۔ اب تمام زمانہ میں بدنامی ہوئی ؟

مغیرہ :۔ بے شک ہوئی !

اویس :- کیوں ہوئی ؟

مغیرہ :- اُس کے کوتکوں سے۔

اویس :- یہاں تک نوبت کیوں پہنچی ؟

مغیرہ :- اُس کی خودسری سے -

اویس :- خودسری کے علاوہ۔

مغیرہ :- اور کیا ؟

اویس :- سوچ کر جواب دو۔

مغیرہ :- اس کی نالائقی سے۔

اویس :- نالائقی کی وجہ ؟

مغیرہ :- ہماری تقدیر، ہمارے اعمال ؟

اویس :- تقدیر اور اعمال علیٰحدہ۔

مغیرہ :- ہماری لاپروائی

اویس :- بے شک - اور لاپروائی ہی نہیں -

مغیرہ :- پھر کیا ؟

اویس :- بے وقوفی -

مغیرہ :- بے وقوفی سہی -

اویس :- اور صرف تمھاری !

مغیرہ :- میری ؟

اویس :- بے شک -

مغیرہ :- وہ کیوں ؟

اویس :- تم نے میرے کہنے پر عمل نہیں کیا ؟

مغیرہ :- کیا نہیں کیا ؟
اویس :- تربیت نہیں کی ۔
مغیرہ :- بس تو میرا قصور ہے ؟
اویس :- بس تو کیا قطعی ہے ۔
مغیرہ :- پھر اب ؟
اویس :- اب کیا ، بھگتو ۔
مغیرہ :- میں کیا بھگتوں ؟
اویس :- اس لئے کہ تم ماں ہو ۔
مغیرہ :- میں تو بیاہ چکی ۔
اویس :- ہاں اس قابل نہ بیاہی کہ خوش رہتی ۔
مغیرہ :- اب آئندہ کی کہو ؟
اویس :- تم ہی کہہ سکتی ہو ۔
مغیرہ :- لینے جاؤ گے ؟
اویس :- ہرگز نہیں ۔
مغیرہ :- کسی اور کو بھیجو گے ؟
اویس :- قطعاً نہیں ۔
مغیرہ :- پھر کیا سڑک پر ماری ماری پھرے گی ؟
اویس :- تم خود چلی جاؤ ۔
مغیرہ :- میرا کام ہے ؟
اویس :- وہ کام تمھارا تھا تو یہ بھی ہے ۔
مغیرہ :- اچھا ، میں خود چلی جاؤں گی ۔

اویس :- تو کیا مجھ پر احسان ہوگا۔

مغیرہ :- کون کہتا ہے ؟

اویس :- تمھاری گفتگو سے معلوم ہوتا ہے۔

مغیرہ :- بس جانے دو۔

اویس :- تم کو یاد نہیں کہ ہمیشہ جھینکتا رہا کہ خدا کے واسطے شمس پر توجہ کرو۔ علم بلا "تربیت" فضول ہے۔ تم نے مطلق توجہ نہ کی۔ اب جو کچھ نتیجہ ہے۔ تمھارے سوا کون بھگتے۔ تم نے کیا بھگتو۔ مجھ سے کیا واسطہ۔ تم کو یاد ہوگا۔ میں اس وقت کی پیشین گوئی پہلے ہی کر چکا ہوں۔ اور ابھی کیا ہے۔ ابھی تو تم دیکھنا کیا کیا ہوتا ہے۔ میں تمھارے سامنے بار ہا رویا اور کہا تعلیم سے زیادہ اولاد کی تربیت ضروری ہے۔ اگر جاہل رہیں گے تو بلا سے بدرجۂ مجبوری اس کو پورا کرو۔ مگر "تربیت" پر توجہ نہ کرنا ایسا گناہِ عظیم ہے جس کا زخم نسلوں تک رہے گا اور کمبخت والدین کو رُلائے گا۔ کیا یہ ہمارے خاموش اور زندہ رہنے کا وقت ہے کہ داماد برس نہ دو برس چار مہینے میں ایسا اُکتا جائے اور پہلا خط اس کا یہ آئے۔ میری رائے میں یہ شریفوں کے واسطے مرجانے کا وقت ہے۔ شمس کی عمر برباد ہوئی اور وہ بآواز بلند کہہ رہی تھی کہ مجھ سے زیادہ انسانیت کی دشمن کوئی لڑکی نہ ہوگی لیکن اس نے اپنے ساتھ دوسروں کی جو مٹی پلید کی اس کا کیا علاج ہوگا۔ کیا تم اس کو جائز سمجھو گی کہ یہ منہ داماد کو دکھاؤں کیا تمھارا دل گوارا کرے گا، تمھاری شرافت اجازت دے گی کہ اس کے جواب میں جمال کو لکھو کہ جھوٹا ہے اور شمس نہایت اچھی اور سمجھدار لڑکی ہے۔ یہ وہ وقت ہے کہ اگر غیرت ہمارے پاس ہے، حمیّت ہم میں موجود ہے تو ہم دونوں میاں بیوی زہر کھا کر اس غفلت پر قربان ہو جائیں۔ جو شمس کی "تربیت" سے ہم نے کی اور دنیا کو دکھا دیں کہ اگر والدین اولاد پیدا کرنے کے بعد اس کی تربیت نہیں

کر سکتے تو اُن کو کوئی حق نہیں کہ اپنی مصیبت دوسری ہستیوں پر ڈالیں۔ ان کے واسطے بہتر یہی ہے کہ مر جائیں اور ایسی ناشدنی اولاد کے ماں باپ دوسروں کو مُنہ نہ دکھائیں۔

بیوی سے یہ گفتگو کر کے اویس باہر آیا۔ خود اسٹیشن پر نہ گیا۔ مگر گھر کے داروغہ کو بھیجا۔ اور یہ ہدایت کر دی کہ شمس کو اتروا کر اُس کی سسرال پہنچا دو اور یہ کہہ دو کہ جب تک وہ اپنی اصلاح نہ کرے اس کا شوہر اور سسرالی خوش نہ ہوں، یہاں اُس کے آنے کی ضرورت نہیں۔ داروغہ نے یہی کیا اور شمس سسرال جا پہنچی۔ اویس اور مغیرہ دونوں بظاہر خاموش تھے اور پھر اس خاص مسئلہ پر دونوں کی گفتگو نہ ہوئی۔ مگر یہ ایک کانٹا تھا جو ہر وقت اندر ہی اندر کھٹک رہا تھا اور دونوں کی زندگی برباد کر رہا تھا۔ پانچ چھ روز اس طرح گزرے ہوں گے کہ ایک دن دوپہر کے وقت جمال کا باپ اویس کے پاس آیا۔ منہ پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں۔ خاموش بیٹھ گیا۔ اویس ڈر رہا تھا کہ دیکھئے بدبخت لڑکی نے اور کوئی گل نہ کھلایا ہو کہ جمال کے باپ نے کہا:۔

"کیا عرض کروں جمال کا خط آیا۔ اُس نے آپ کو بھی خط لکھا ہے میں نے سمجھا تھا کہ لڑکی ہے۔ بچّہ ہے۔ ناتجربہ کار ہے اور ابھی اونچ نیچ نہیں سمجھ سکتی۔ کچھ میں سمجھاؤں گا۔ کچھ اس کی ماں بتائے گی۔ رفتہ رفتہ وہ راہِ راست پر آجائے گی۔ مگر رات کو میری پھوپھی زاد بہن جو شادی کے موقع پر شریک نہ تھی۔ اس کو دیکھنے آئی۔ وہ چونکہ مذہب کی سختی سے پابند ہے اور اس معاملہ میں اس قدر سخت کہ اگر اس کے سیانے بچّوں میں سے کوئی نماز نہ پڑھے تو ان کو کھانا تک نہ دے۔ گھر کے نوکر ماما ئیں اگر نماز سے غفلت کریں تو اُن کے ہاتھ کا کھانا پینا اس کو حرام ہے۔ میں نے خود کل شام کے وقت بہو بیگم کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ وہ دو تین روز

کے لئے آگئیں ہیں۔ اُن کے سامنے کسی وقت کی نماز قضا نہ کرنا ورنہ وہ اس گھر میں دم بھر نہ ٹکے گی۔ بلکہ ہمارا کھانا تک بھی نہ کھائے گی۔ آج صبح کو میں تو نماز کے لئے باہر گیا ہوا تھا۔ جب وہ نماز کو اُٹھی تو اس نے یہ سمجھ کر کہ اس کی آنکھ لگ گئی اُن کو جگایا کہ وقت جا رہا ہے نماز پڑھ لو۔ میں جس وقت لوٹا ہوں تو گھر میں قدم رکھتے ہی بہو بیگم کی یہ آواز میرے کانوں میں آئی "میں ایسے مُلّانوں پر لعنت بھیجتی ہوں۔ یہ جہالت آپ ہی کو مبارک رہے۔ سوتے آدمی کو جگانا سخت بدتہذیبی ہے۔ تم آدمیوں میں رہی ہو یا جانوروں میں؟ نماز خدا کی ہے یا تمھاری جو اُٹھانے کھڑی ہو گئیں"۔ وہ بے چاری یہ سن کر سکتے میں رہ گئی۔ اُس نے نماز تو جوں توں پڑھ لی۔ مگر نماز پڑھتے ہی ڈولی منگوا روانہ ہوئی۔ ہر چند میں نے روکا، اُس کی بھاوج نے بہتیرا سمجھایا۔ مگر ایک دم نہ ٹھہری۔ آپ خیال فرمائیے، ہماری تو عزت پر پانی پھر گیا اور برادری کا معاملہ۔ نکلی ہونٹوں چڑھی کوٹھوں۔ ساری برادری پورا کنبہ فرنٹ ہو گیا۔ اب سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں کیا نہ کروں۔ آپ سے عرض کر دیا کہ اگر مناسب سمجھئے تو چند روز کے واسطے اُن کو بلا کر اپنے ہاں رکھ لیجئے کہ ہم اس کو دوبارہ بلا کر معاملہ رفع دفع کر لیں۔

(۱۸)

اویس :- بس بسم اللہ کرو۔

مغیرہ :- ایسی جلدی کیا ہے؟

اویس :- ہاں مجھ کو جلدی ہے۔

مغیرہ :- اچھا۔

اویس :- آج ہی نکاح بھی اور وداع بھی۔

مغیرہ :۔ تم نے اچھی طرح دریافت بھی کر لیا۔
اویس :۔ ہاں۔
مغیرہ :۔ لڑکا کیا کرتا ہے ؟
اویس :۔ اب اس تفصیل سے واسطہ۔
مغیرہ :۔ معلوم تو ہو جائے۔
اویس :۔ جو کچھ ہے ٹھیک ہے۔
مغیرہ :۔ ایک کا حشر تو دیکھ چکے۔
اویس :۔ مرضی خدا کی۔
مغیرہ :۔ سوچ سمجھ کر کام کرو۔
اویس :۔ بس شام کو نکاح ہے۔
مغیرہ :۔ اور وداع ؟
اویس :۔ شام ہی کو۔
مغیرہ :۔ کیا کہہ رہے ہو ؟
اویس :۔ ٹھیک کہہ رہا ہوں۔
مغیرہ :۔ زیادہ جلدی نہ کرو۔
اویس :۔ مجھے شام کا انتظار بھی مصیبت ہے۔
مغیرہ :۔ میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔
اویس :۔ اور کیا کہو گی اور کیا کرو گی۔ کہہ چکیں جو کہنا تھا اور کر چکیں جو کرنا تھا۔ تم کے فرض سے ادا ہو اور خدا پر چھوڑ دو۔ جو کچھ اس کی تقدیر میں ہوگا بھگتے گی۔
مغیرہ :۔ اپنی طرف سے تو پورا اطمینان کر لو۔

اویس :- کر لیا۔

شام کو قمر جہاں کا نکاح اسلام پور کے رئیس محسن سے ہو گیا اور اویس و مغیرہ کی یہ پیاری بچّی میکے سے رخصت ہو کر سسرال پہنچی۔

شمس کا دھاکا اویس کے دل پر ایسا بیٹھا تھا کہ قمر کو بالکل بھول گیا۔ ہر وقت اس کے فکر میں تھا۔ ارادہ کیا کہ چند روز کے واسطے اُس کو اپنے ہاں بُلا لے۔ مگر اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ وہ ایک روز کے لئے ملنے آئی تھی مگر تمکنت نے اس کا ایسا پیچھا لیا تھا کہ وہ ماں اور باپ دونوں کو بے وقوف سمجھ رہی تھی۔ ماں نے چاہا بھی کہ چند روز رہ جائے مگر اس نے منظور نہ کیا۔ اور شام کو سسرال چلی گئی۔

اب کیفیت یہ تھی کہ روز ایک نہ ایک حرکت ایسی کر گزرتی تھی۔ جس کی شکایت بلا ناغہ بدنصیب ماں باپ تک پہنچتی۔ ساس اور خُسر دونوں پریشان تھے مگر کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آتی تھی۔ بیٹے کو لکھ دیا کہ اپنا وبال اپنے پاس بلائے اور اس علم و فضل کی جس پر خود ہی لٹّو ہوا تھا خود ہی قدر کرے۔ مگر وہ ایک دفعہ مزہ چکھ چکا تھا۔ اس نے صاف لکھ دیا کہ میں نے دوسرا نکاح کر لیا۔ مہر میرے پاس ہے نہیں۔ اگر وہ مہر معاف کر دیں تو میں طلاق لکھ کر بھیجدوں۔

یہ تمام واقعات شمس، مغیرہ، اویس سب تک پہنچ رہے تھے لیکن بجائے اس کے کہ اب بھی شمس سنبھلتی اور زیادہ شیر ہوئی۔ متواتر پریشانیوں نے دونوں ماں باپ کو ایسا پریشان کیا کہ بیچاروں کو اس کے سوا چارہ نہ رہا کہ چند روز کے واسطے منہ کالا کریں اور شہر چھوڑ کر باہر چلے جائیں تاکہ اس مُصیبت سے نجات ملے۔

ان دونوں کے چلے جانے کے بعد شمس کی آنکھیں کُھلیں اور مجبور و ... میکے آئی۔ یہاں بھی دن رات وہی جھگڑا تھا۔ ماں جس طرح ہوتا بھگتتی

اور دل ہی دل میں جلتی بھنتی۔

(۱۹)

قمر شادی ہو کر سسرال گئی تو شوہر کے دو سوتیلے بچّے اس کی نگرانی میں آئے جن کو ماں دو سال ہوئے چھوڑ مری تھی۔ بڑا لڑکا چھ سال کا اور چھوٹی بچّی چار سال کی تھی۔ یہ دونوں بچّے سوتیلے تھے اور قمر کے اختیار میں تھا کہ چاہے جس طرح ان کو رکھے۔ مگر وہ سمجھ رہی تھی کہ قدرت نے ان سے ایک ماں چھین کر اب دوسری ماں اس لئے دی ہے کہ وہ اپنی شفقت و محبت سے پہلی ماں کو دل سے بھلا دے اور اس طرح پیش آئے کہ معصوم دل بھول کر بھی اصلی ماں کو یاد نہ کریں قمر نے سب سے پہلے ان بچّوں کو اپنی طرف مائل کیا۔ اور کچھ ایسی غیر معمولی محبّت کا اظہار کیا کہ دونوں کے دونوں مردہ ماں اور زندہ باپ دونوں کو بھول گئے۔ اگر وہ ایک روز کو بھی میکے جاتی تو دونوں کے دونوں اسی کے ساتھ جاتے۔ خود محسن کو ناگوار ہوتا۔ اور وہ سمجھتا کہ یہ لڑکی ہے۔ ان بچّوں کی پرورش اس کے فرائض میں داخل ہے۔ مگر نہ اس قدر کہ اپنی تمام مسرّتیں ان پر قربان کر دے اور وہ خوشی جو اس کو میکے جانے سے میسّر ہوئی ہے۔ اس میں بھی ان کا وجود رخنہ انداز ہو۔ لیکن برخلاف اس کے خیال کے قمر یہ سمجھ رہی تھی۔ محسن کی رضامندی صرف زندگی کی فلاح ہے اور ان بچّوں کی رضامندی ادائیگی فرض بھی ہے اور وہ دم بھر کو ان کا ساتھ نہ چھوڑتی۔ کیا کوئی ماما نوکر اتنا خیال رکھے گا جتنا وہ ان کا رکھتی۔ کبھی یہ نہ ہوا کہ ان سے پہلے خود کھایا یا پہنا ہو کھلا کر کھاتی اور پہنا کر پہنتی۔ محسن نے دو سال نکاح نہ کیا اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ سن رہا تھا اور دیکھ رہا تھا کہ مسلمان عورتیں اس خاص معاملہ میں احکام اسلام کو سب سے

زیادہ نظر انداز کر رہی ہیں اور خود غرضی نے غفلت کے پردے آنکھوں پر ڈال دیئے ہیں کہ وہ سوکن کے بچّوں کیلئے ڈائن بن کر کام کرتی تھیں۔ ڈرتا تھا کہ نکاح کرنا ان معصوموں کو اپنے ہاتھ سے دشمن کے سپرد کرنا ہے مگر جب یہ سُنا کہ ادیس کی چھوٹی لڑکی قمر واقعی انسان ہے اور اپنے فرائض کو اس طرح محسوس کرتی ہے کہ مسلمان عورتیں مشکل سے کریں گی تو نکاح کی حامی بھری۔ کیا مگر ڈرتے ڈرتے کہ دیکھئے انجام کیا ہوتا ہے اور بچّوں پر کیا گزرتی ہے۔ نکاح کے دو چار روز بعد تک تو یہ سمجھتا رہا کہ ابھی نیا نیا معاملہ ہے۔ قمر کی طبیعت اور اُس کی توجہ قابل اعتبار نہیں۔ مگر جب دن زیادہ گزر گئے اور دیکھا کہ اس کی محبت بجائے کم ہونے کے اور زیادہ ہو رہی ہے تو اس قدر خوش ہوا کہ علی الاعلان اپنے گھر کو جنّت کہا۔ قمر نے بچّوں کو ایسا چمٹایا کہ وہ چند ہی روز میں اس کا کلمہ پڑھنے لگے۔ ایک روز کا ذکر ہے۔ شام کے وقت محسن، ادیس سے ملنے جا رہا تھا۔ گاڑی تیار تھی کہ لڑکا آکر کہنے لگا۔ "امّاں جان ہم کو بھی بھیج دیجئے"۔ قمر سُن کر خاموش رہی۔ محسن کپڑے پہن کر اندر آیا چلنے لگا تو کہنے لگی۔

"کدھر کا قصد ہے؟"

محسن:۔ ابّا جان کی طرف۔

قمر:۔ بچّہ کو بھی لے لو۔

محسن:۔ نہیں۔

قمر:۔ کیوں؟

محسن:۔ ضرورت کیا ہے؟

قمر:۔ اس کی خواہش ہے۔

محسن:۔ خواہش نہیں ضد ہے۔

قمر :۔ ضد نہیں خواہش ۔
محسن :۔ واہ
قمر :۔ ضد اور خواہش میں کیا فرق ہے ؟
محسن :۔ تم بتاؤ ؟
قمر :۔ اگر خواہش ظاہر کرنے کے بعد بچّہ کو یہ علم ہو جائے کہ والدین انکار کر
ہیں اور پھر وہی خواہش کرے تو ضد ہو گی ۔ اُس نے تو ابھی خواہش
ظاہر کی ہے ۔
محسن :۔ تم اس منطق کو رہنے دو ۔ میں اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتا ۔
قمر :۔ وجہ ؟
محسن :۔ کچھ نہیں ۔
قمر :۔ یہ تو درست نہیں ۔
محسن :۔ میرا جی نہیں چاہتا ۔
قمر :۔ جی نہ چاہنے کی کوئی وجہ ؟
محسن :۔ یہ تو اختیاری ہی نہیں ۔
قمر :۔ دل کی خواہش سوچ سمجھ کر پوری کرو ۔
محسن :۔ تم مجھے مجبور نہ کرو ۔
قمر :۔ تم مجھے قائل نہ کرو ۔

یہ اس قسم کی باتیں تھیں کہ اگر محسن کی پہلی بیوی زندہ ہو کر آتی تو پیٹ کے
بچّوں کے ساتھ اتنا ہی کر سکتی تھی جیسا قمر کر رہی تھی ۔ ایک اسی پر کیا موقوف تھا
نماز ۔ روزہ ، خیرات زکوٰۃ ۔ غرض قمر کا گھر اسلام کا پورا نمونہ تھا اور اس کی
صرف " تربیت " تھی کہ ادیبں نے علم سے زیادہ اُس کے مسلمان بنانے کی

پرورش کی اور اصول اسلامی کے موافق اس کی "تربیت" کی۔ ساس کا ادب، خسر کی تعظیم، بزرگوں کا پاس، چھوٹوں کا لحاظ، کوئی بات ایسی نہ تھی جس میں ذرہ برابر کسر رہ جاتی ہو۔ یہ وہ وقت تھا کہ نہ صرف محسن بلکہ تمام بستی اس کا کلمہ پڑھ رہی تھی اور حق یہ ہے کہ اس خوش قسمتی پر محسن جس قدر فخر کرتا کم تھا۔

(۲۰)

شمس کے حالات ابتر ہوتے ہوتے اب نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ وہ ماں اور باپ دونوں کی مطلق پروا نہ کرتی تھی۔ خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔ کمبخت ایک بچہ کی ماں بھی بن گئی اور یہ ظاہر تھا کہ ایک پیسہ کی آمدنی نہیں، مامتا بھی یا خدا کا خوف۔ اس کی تمام ضرورتیں کچھ کھلم کھلا کچھ اویس کے چوری چھپے مغیرہ رفع کر رہی تھی مگر وہ بے حیا اس کو ماں کی محبت، باپ کی عنایت نہیں اپنا حق سمجھتی تھی اور اگر کبھی اتفاق سے کسی ضرورت کے پورا ہونے میں لمحہ بھر کی بھی دیر ہو جاتی تو آفت برپا کر دیتی۔ ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغیرہ وہی ماں جو شمس کے وداع پر دنیا سے ایسی بیزار ہوئی کہ گھر تک کی پروا نہ رہی۔ اب اس کی صورت سے بیزار ہو گئی۔ مگر کوئی علاج سمجھ میں نہ آتا تھا۔ خدا خدا کر کے جمال تین مہینہ کی چھٹی لے کر گھر آیا تو دونوں میاں بیوی اویس و مغیرہ کی جان میں جان آئی اور انھوں نے سوچا کہ سمجھا بجھا کر میاں بیوی کا ملاپ کرا دیں گے۔ جمال کا یہ لکھنا کہ دوسرا نکاح کر لیا۔ محض دھمکی ہے۔ مگر ان کی آنکھیں کھل گئیں جب انھوں نے دیکھا کہ واقعی جمال کو اندر ہی اندر شمس نے ایسی گہری مار ماری ہے کہ فقط منہ ہی سے نہیں واقعی نکاح کر لیا اور وہ دوسری بیوی ساتھ ہے۔ اویس گر پڑا تھوڑی آدمی نہیں مشہور شخص تھا اور تمام شہر میں اس کی عزت تھی۔ کچہری عدالت میں

بھی، کُنبہ برادری میں بھی۔ وہ اگر چاہتا تو جمال کو اس نکاح کا ایسا مزہ چکھاتا کہ دو
میاں جمال اور نئی دلہن کو چھٹی کا دودھ یاد آجاتا۔ اور مغیرہ نے کوشش بھی کی۔ اوی
کو مجبور بھی کیا کہ وہ جمال کو اُس کے فعل کی سزا دے۔ لیکن افسوس کہ ایمان نے گوارا
نہ کیا کہ جمال کو ایک جائز حق کے استعمال کرنے پر جو اس نے بجا استعمال کیا پریشا
کرے۔ شمس انگاروں پہ لوٹ، رہی تھی۔ مگر جس سے شکایت کرتی اور جمال کی
بُرائی کا ذکر کرتی، اُلٹا قائل کرتا۔ اس موقعہ پر ٹیڑھی کھیر جمال کے بچّہ کمال کی
پرورش تھی۔ ماں کی خواہش تھی کہ یہ میرے پاس رہے اور باپ چاہتا تھا کہ میں
لوں۔ اس قضیہ نے بھی خاصا طول کھینچا اور افسوس یہ ہے کہ محض تربیت کی
غفلت نے دونوں ماں باپوں کو وہ دن دکھلایا کہ خدا دشمن کو نہ دکھائے۔

ایک روز جب کہ قمر بھی آئی ہوئی تھی۔ مغیرہ اور اویس دونوں نے بیٹھ
کر سوچا کہ اب شمس کے واسطے کیا کرنا چاہیئے۔ مغیرہ اپنی رائے دے رہی تھی
اویس اپنا خیال ظاہر کر رہا تھا۔ مغیرہ کہتی تھی کہ مصیبت شریفوں کی بیٹیوں
ہی پہ آکر پڑتی ہے۔ اس کے سوا چارہ نہیں کہ جو کچھ اللہ نے دیا ہے شمس اس
پر صبر و شکر کرے۔ خدا بچّہ کی پرورش کر دے۔ اب اس کی دنیا اور آمدنی
سب بچّہ کے دم سے ہے۔" اویس کہتا تھا:" ہم کو اس سے قطع تعلق کرنا چاہیئے
اس نے ہماری ناک کٹوائی۔ عزّت خاک میں ملا دی۔ سارے شہر میں تھُڑ تھُڑی
ہو رہی ہے۔ اس کو سسرال پہنچواؤ۔ اور یہ اپنے انجام کی خود ذمہ دار ہے۔ قمر
نے سوچ کر کہا:" مجھے دونوں باتوں سے اتفاق نہیں ہے۔ مرد دوسرا نکاح
کرتے ہیں اور جب ہو چکا تو اب اس کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں کہ آپا جان
سب سے پہلے یہ غور کریں کہ نکاح ثانی کیوں ہوا۔ آیا جمال نے نکاح کیا یا کرنا
پڑا۔ اگر وہ مجبور ہوا اور اس کے سوا چارہ نہ تھا تو قصور اُس کا نہیں۔ آپا جان

کا ہے۔ جب یہ اپنی غلطی کا اعتراف کریں اور طبیعت کو اصلاح پر لائیں تو پھر
یہ تجویز ممکن ہے۔ اور اگر یہ اس پر غور نہ کریں تو ہر کوشش بے سُود ہے۔ میری
رائے میں جمال سے بہت زیادہ آپا جان قصور وار ہیں ؟ ابھی یہ گفتگو ختم نہ
ہوئی تھی کہ کسی شخص نے باہر سے آواز دی۔ معلوم ہوا کچہری کے اہلکار ہیں۔
اویس باہر نکلا تو جمال اور چند چپڑاسی اور اہلکار اس کے ساتھ تھے۔ بچہ
اُس کی گود میں تھا۔ بچّہ کی کھلائی پاس کھڑی رو رہی تھی کہ زبردستی میری گود
سے میاں نے لے لیا۔ اویس خاموش تھا کہ قرق امین نے آگے بڑھ کر کہا۔

"عدالت کے حکم سے یہ بچّہ باپ کے سپرد کیا جاتا ہے"۔

اویس نے اب بھی کچھ جواب نہ دیا۔ چپکا اندر چلا آیا۔ جمال بچّہ کو لے چلتا
ہوا۔ شمس دیر تک بیٹھی روتی رہی۔ مگر ہونا گیا تھا۔ اویس نے چاہا کہ جمال سے
اس کا بدلہ لے۔ مغیرہ نے ترغیب دی۔ اویس کپڑے پہن رہا تھا کہ قمر نے
کہا "بظاہر جمال کا یہ فعل زیادتی معلوم ہوتا ہے۔ اور ہم فطری طور پر اُس سے
اس کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ مگر حقیقتاً وہ مجبور تھا کہ یہ کارروائی کرے۔ اگر
آپا جان اپنے فرائض ادا کرنے میں تامّل نہ کرتیں تو آج اُن کو یہ دن نہ دیکھنا
پڑتا۔ قمر کی یہ بات اویس کی سمجھ میں بھی آگئی اور وہ کپڑے اُتار خاموش بیٹھ
گیا۔ مگر بچّہ کی مفارقت نے شمس کی حالت خراب کردی۔ دو تین روز میں اس
کا زور ڈھے گیا۔ اور جس سر میں تمکنت کا دریا ہر وقت لہریں لے رہا تھا
اب وہاں لاچاری کا چٹیل میدان تھا۔ کھانا پینا سب چھوٹ گیا۔ رات
رات بھر صحن میں ٹہلتی اور اس توقع پر کہ شاید وہ چاند سی صورت ایک دفعہ
پھر نظر آئے۔ صبح سے شام ہو جاتی مگر مشکل سے دو چار دانے وہ بھی دوسروں
کی زبردستی سے اس کے پیٹ میں جاتے۔ اس طرح ایک ہفتہ کے قریب

گزرا کوئی اُمید باقی نہ رہی تو مامتا کی ماری ایک روز رات کے وقت باپ کے قدموں میں گر پڑی اور کہا:-

"میں اپنی غلطیوں پر نادم ہوں ۔ خدا کا واسطہ بچّہ کی صورت مجھے دکھلا دیجئے۔"

اویس لاکھ ناراض اور صورت سے متنفر تھا ۔ مگر اس وقت شفقت پدری نے جوش کیا ۔ اس کا سر اُٹھا کر اپنے سینہ سے لگایا اور سیدھا اُٹھ جمال کے پاس گیا ۔ مگر افسوس جمال بچّہ کو ساتھ لے کلکتہ روانہ ہو چکا تھا ۔ یہ ایک بجلی تھی جو شمس کے سینے پر کڑک کر گری ۔ دروازہ میں کھڑی تھی کہ کیفیت معلوم ہوئی چکرا کر وہیں گر پڑی اور بے ہوش ہو گئی ۔ تین ساڑھے تین گھنٹہ بعد ہوش آیا تو ایک عجیب حالت تھی ۔ آنکھ میں آنسو نہ تھا ۔ زبان پر بات نہ تھی ۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد اُٹھ بیٹھتی اور پھر ہائے کہہ کر گر پڑتی تھی ۔ تین دن اور تین رات اسی حال میں گزرے ۔ مُنہ پیٹتی تھی ۔ گھونسے اور تھپّڑ مارتی تھی ۔ حسرت سے ایک ایک کو دیکھتی ۔ کلیجہ منہ کو آتا تھا ۔ دل سینے میں تڑپتا تھا مگر وہ پیاری صورت نظر نہ آتی تھی ۔ دیواروں سے باتیں کرتی ، ہوا سے التجائیں کرتی ، اِدھر جاتی ، اُدھر جاتی ، اوپر ٹہلتی ، نیچے پھرتی لیکن جو صورت آنکھ سے اوجھل ہو گئی تھی وہ نظر نہ آتی تھی ۔

برسات کا موسم تھا ۔ رات اندھیری تھی اور پانی دھائیں دھائیں پڑ رہا تھا ۔ تڑپتی ہوئی فرش پر گر پڑی ۔ دو راتوں کی جاگی ہوئی تھی ۔ گرتے ہی آنکھ لگ گئی تو کیا دیکھتی ہے ۔ کلکتہ والے مکان میں خاموش کھڑی ہے ۔ مینہ زور شور کا پڑ رہا ہے ۔ بجلی کوند رہی ہے اور جمال مع اپنی دوسری بیوی کے کمرے میں بیٹھا قہقہہ لگا رہا ہے ۔ بچّہ انگنائی میں بیٹھا رو رہا ہے لیکن باپ کے

کانوں میں اس کی آواز نہیں جاتی اور جاتی ہے تو پروا نہیں کرتا۔ بڑی مشکل سے
گھسٹ کر اور لڑھک کر بچّہ کمرہ کے قریب پہنچا کہ اندر چلا جائے مگر جمال کی بیوی
نے اٹھ کر دروازہ بند کر لیا اور بچہ باہر بیٹھا بھیگتا رہا۔ خواب میں اس کیفیت کا نظ
آنا ایک برچھی تھی جو اندر ہی اندر اُس کا دل زخمی کر رہی تھی کہ بجلی گری اور بچّ
کا خاتمہ کر دیا۔ شمس یہ کہہ کر چیخ اُٹھی۔

"ہائے کمال"

لاکھ سب سمجھا رہے تھے۔ ماں کہتی تھی، باپ کہتا تھا۔ نوکر چاکر کہتے تھ
مگر اس کی لگی میں فرق نہ آتا تھا۔ صبح تک اس درد سے چلاتی کہ سارا محلہ کڑھ
رہا۔ صبح کے وقت جب حالت زیادہ خراب ہوئی تو شمس نے بہنوئی کو
خط لکھا۔

"ہم لوگوں کو شاید یہ حق نہیں ہے کہ آپ کے نکاح ثانی
پر اعتراض کریں اور بچّہ کے لے جانے کو زیادتی بتائیں۔ مگر ہم
کو یہ کہنے میں تامّل نہیں کہ آپ نے اس دور اندیشی سے کام نہ لیا
جو ایک معقول آدمی سے اس کے سسرال والوں کو توقع ہو سکتی ہے۔
مجھے اقرار ہے کہ شرعِ اسلام نے آپ کو یہ اختیار دیا تھا کہ آپ
دوسرا نکاح کر لیں لیکن آپ نے جس قدر عجلت سے اس معاملہ
میں کام لیا وہ لاریب قابل بحث ہے۔ ضرورت تھی کہ آپ ہم
کو موقعہ دیتے اور آپا جان کے یہاں آنے کے بعد منتظر رہتے کہ
ہم خود اس معاملہ میں کیا کرتے ہیں۔ بچّہ کو ماں سے جُدا کرنے میں
آپ نے اپنی نفسانیت اور سنگدلی کا کافی ثبوت دیا۔ جس کی
ذمہ داری شرعاً اور اخلاقاً دونوں طرح آپ پر عائد ہو رہی ہے

آپ یقیناً اس درد کا اندازہ نہ کر سکے جو ایک ماں کو بچہ کے فراق میں ہوتا ہے۔ ورنہ ایسا فعل جو ظالم سے ظالم آدمی بھی نہیں کر سکتا آپ جیسے معقول آدمی سے سرزد نہ ہوتا۔ اب میری عرض صرف یہ ہے کہ میں آپ کو اطلاع دیدوں کہ وہ بدبخت شمس جو آپ کے بچّہ کی ماں ہے۔ سکرات میں ہے اور اُمید نہیں کہ دوچار پانچ روز بھی اور زندہ رہ سکے۔ آپ یاد رکھیے کہ شمس کی موت کا بار آپ کی گردن پر ہے۔ آپ نے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کیا۔ اپنی آنکھیں روشن کیں مگر اُس کی ماں کو جس نے پیٹ میں رکھا اور دودھ پلایا اُس کے لال کی صورت سے محروم کر دیا۔ جس نے اُس کی جان پر بنا دی اور اب وہ اپنے بچّہ کے واسطے تڑپتی اور بلبلاتی دنیا سے رخصت ہوتی ہے۔ میں ضروری نہیں سمجھتی کہ آپ سے نکاح ثانی پر بحث کروں اور بتاؤں کہ آپ اس جلدی میں حق بجانب نہ تھے۔ لیکن ایک معصوم بچّہ کو ماں سے جُدا کرنے والا شخص انسانیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ ابھی وقت ہے کہ آپ انسانیت کا ثبوت دیں اور ایک مُردہ ماں کو جس کی آنکھیں دروازہ پر لگی ہوئی ہیں۔ اُس کے بچّہ کی صورت دکھا کر زندہ کر لیں۔ جمال اس موقع کو غنیمت سمجھو! اور یقین کر لو کہ یہ فعل زندگی کے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔"

قمر نے باپ سے ذکر کیا نہ ماں سے اور یہ خط لکھ کر بہنوئی کو ڈلوا دیا۔ شمس کی حالت صبح ہوتے ہوتے اور زیادہ بگڑ گئی تھی۔ وہ دن بھر مچھلی کی طرح تڑپتی رہی۔ بیٹھے بیٹھے اُٹھ بیٹھتی تھی۔ چاروں طرف ہکا بکا دیکھتی

تھی اور کہتی تھی۔

"کمال کہاں ہے"

تین روز اور تین رات یہی حالت رہی۔ چوتھے روز رات کے وق
کی حالت بگڑ گئی اور دل کی حرکت کمزور ہونے لگی۔ ڈاکٹر اور حکیم سب موجود
اویس اور مغیرہ اور قمر رو رہے تھے کہ اویس نے کہا:۔

"اے شمس کمال آگیا"

فوراً آنکھیں کھول دیں چاروں طرف دیکھا اور اشارہ سے آسما
طرف انگلی اٹھا کر کہا:۔

"اب کمال خدا کے ہاں ملے گا"

یہ کہہ کر روئی اور اتنا روئی کہ ہچکی بندھ گئی۔ دل بدستور کمزور
اور حرکت اضمحلال کی جانب رجوع تھی کہ جمال واقعی بچّہ کو لے کر پہنچا
چیخ اٹھے۔

"لو بچّہ آگیا"

قمر نے جلدی سے بچّہ کو گود میں لے کر ماں کے سینہ پر ڈال د
بھینچ لیا اور چیخکر کہا۔

"ہائے میرا کمال"

خوشی کے مارے اچھل پڑی۔ بچّہ گلے سے چمٹا ہوا تھا۔ مسرت کی انتہا
دل کی حرکت بند ہوئی۔ اور شمس بچّہ کو کلیجہ سے چمٹائے دنیا سے رخصت

(۲۱)

قمر کی انسانیت نے تمام اسلام پور میں سکّہ بٹھا رکھا تھا۔

مشہور ہوتے ہی تمام دُنیا اُمنڈ پڑی اور قمر کے پاس اس قدر مخلوق تعزیت کو آئی کہ گھر میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ اُس نے سسرال کی زندگی کیسی گزاری۔ اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ اُس کی زندگی خوبیوں کا مجموعہ تھی اور ہر متنفس اُس کا زیر بار احسان تھا۔ اسلام پور والے جو اپنے اچھوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے اس کے نام کے دیوانے تھے اور حق یہ ہے کہ وہ خود تکلیفیں اُٹھاتی تھی اور دوسروں کو آرام پہنچاتی تھی۔ قمر جس وقت بہن کے واسطے تڑپ رہی تھی۔ اس وقت شمس کی موت سے متاثر نہیں۔ قمر کی تکلیف سے بیسیوں عورتیں اس کے درد کی شریک تھیں۔ منیرہ کی حالت ایسی ابتر ہوئی کہ وہ سترہ اٹھارہ گھنٹے تک بے ہوش پڑی رہی اور ہوش آیا بھی تو بے ہوشی سی تھی۔ اس موقع پر اولیس سے ضبط نہ ہوسکا۔ سنگدلی تھی یا ضرورت تھی۔ اس نے بھرے مجمع میں کہہ دیا۔

"میں جس بات کو روتا تھا وہ آج پیش آگئی اور تم نے دیکھ لیا کہ ایک تربیت کی غفلت نے کیا دن دکھایا! اشد ضرورت ہے کہ مسلمان مائیں ہم سے سبق لیں اور اولاد کی "تربیت" کو ہر ضرورت سے مقدم سمجھیں۔

مذہبی اور اخلاقی معلومات کا گرانقدر صحیفہ

دینی ضروریات

آج مسلمان دین و مذہب سے کیوں غافل ہوتے جا رہے ہیں؟ اس لئے کہ ضروریات کا انھیں پورا علم نہیں۔ خدائے واحد اور رسول اکرم کی محبت ان لوگوں کے دلوں سے کیوں کم ہوتی جا رہی ہے؟ اس لئے کہ وہ توحید و رسالت کے اصلی مفہوم سے ناواقف ہیں۔ اسلامی عبادات کی اہمیت و افادیت کو وہ کیوں نظر انداز کرتے جا رہے ہیں؟ اس لئے کہ عبادت کے حقیقی مقصد اور اس کی روحانی لذتوں سے نا آشنا ہیں۔ اخلاق روز بروز کیوں پست ہوتے جا رہے ہیں؟ اس لئے کہ صحیح اخلاقی تعلیمات سے بے بہرہ ہیں۔

اگر آپ ان اہم خامیوں کو محسوس کرتے ہیں اور یہ بھی مانتے ہیں کہ ایک مسلمان کے لئے یہ خامیاں دین و دنیا میں خسارہ کا سبب ہیں تو آج ہی سے دارالفرقان کی مایۂ ناز کتاب "دینی ضروریات" کا مطالعہ پوری دلچسپی سے شروع کر دیجئے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کو تمام دینی اور اخلاقی امور کا علم ہو جائے گا اور ان کے مطابق عمل کر کے آپ ایک سچے اور پکے مسلمان بن جائیں گے۔ "دینی ضروریات" میں اسلام کے جملہ عقائد و ارکان، فرائض اور واجبات اور اخلاقی تعلیمات کو عقلی دلائل کے ساتھ عام فہم اور سلیس اردو میں نہایت واضح طریقہ پر بیان کیا گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ "اسلامیات" پر اتنی سہل اور جامع کتاب اس وقت بازار میں موجود نہیں ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے کم پڑھے لکھے لوگ بھی خاطر خواہ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ ضخامت ۲۳۲ صفحات، سفید کاغذ۔ کتابت و طباعت عمدہ، مجلد مع رنگین گرد پوش۔

قیمت صرف تین روپے علاوہ محصول ڈاک

تفسیر سورۂ یٰسین

سورۂ یٰسین کلامِ الٰہی کا قلب ہے اس سورہ میں فصاحت و بلاغت کے دریا لہرا رہے ہیں - اگر آپ کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ آپ پورے کلام مجید کی تفسیر سے اپنے دل و دماغ کو روشن کر سکیں تو کم از کم کلام الٰہی کے قلب کی کیفیات سے لطف اندوز ہونے کی تو ضرور کوشش فرمایئے ۔ یہ تفسیر جامعیت کے لحاظ سے بے نظیر و بے مثال ہے حسن بیان اور ادائے مطالب میں جواب نہیں رکھتی ۔ زبان بے حد سلیس اور عام فہم ہے سہ رنگا، دیدہ زیب اور دلآویز ٹائیٹل ۔ ہدیہ صرف ایک روپیہ ۔ علاوہ محصول ڈاک ۔

پیارے نبی کی پیاری بیٹی

سیّدہ فاطمۃ الکبریٰ

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ میں نے اپنی لاڈلی بیٹی کا نام فاطمہ اس لئے رکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کے دوستوں اور عقیدتمندوں کو آتش دوزخ سے محفوظ کر دیا ہے اور زہرا کے نام سے اس لئے موسوم ہوئیں کہ جب آپ عبادت کے لئے کھڑی ہوتیں تو آپ کا نور ایمانی آسمان و زمین کے رہنے والوں کو روشنی بخشتا تھا ۔ گویا آپ کاشانۂ نبوت کی ایک نورانی شمع تھیں جس سے صرف عالم انسانیت ہی نہیں بلکہ عالم قدس بھی روشن و منور تھا ۔ یہ کتاب سیدۃ النساء بنت سید الانبیاء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے مستند و مکمل حالات زندگی کا بصیرت افروز اور ایمان پرور مرقع ہے جس کا مطالعہ ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے نہایت ضروری اور مفید ہے ۔ اس کتاب کو پڑھئے اور خاتون جنت کی مقدس اور نورانی زندگی، پاکیزہ اخلاق اور پسندیدہ [illegible]ت کی روشنی میں اپنی دینی و دنیوی زندگی کو کامیاب و تابناک بنایئے ۔ کتابت و طباعت عمدہ [illegible]ن و رنگین ٹائیٹل ۔ قیمت صرف ایک روپیہ ۔ محصول ڈاک علاوہ ۔